ISSN 2221-1659

سہ ماہی سماجی و دینی تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

جلد:10 شمارہ:2 مسلسل شمارہ:44 اپریل تا جون 2019ء

اسلام، ایک عالمی دین

رحمت خدا کا اسلامی تصور

قرآن اور دعوت فکر و نظر

امتوں کے زوال کے اسباب

فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ۔ ایک مطالعہ

اسلامی اور مغربی تمدن میں بنیادی فرق

سید جعفر مرتضی عاملی، ایک منفرد سیرت نگار

قرآن کریم کے اولین لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی تراجم

Evaluating the Economic Resilience of SAARC Countries by using A HP-TOPSIS Approach

www.nmt.org.pk
نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (اسلام آباد)

Quarterly social & religious research journal

NOOR-E-MARFAT

Indexed by:

https://www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

https://www.iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

Applied for Indexing in

https://orcid.org

https://www.brill.com

https://www.ebsco.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/citations?user=ZAJjGSMAAAAJ&hl=en

ISSN 2221-1659 Declaration No: 7334

سہ ماہی سماجی و دینی تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

NOOR-E-MARFAT

جلد:10 شمارہ:2 مسلسل شمارہ:44

اپریل تا جون 2019ء

بمطابق

شعبان المعظم تا شوال 1440ھ

مدیر

ڈاکٹر محمد حسنین

نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد

E-mail: noor.marfat@gmail.com

مقالہ نگاروں کے لئے چند ضروری ہدایات

سہ ماہی سماجی و دینی تحقیقی مجلّہ "نور معرفت" کا ایک اہم ہدف، سماجی، دینی موضوعات پر اسلامی نقطہ نگاہ سے لکھے گئے مقالات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ علمی مراکز کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان تحقیقی ذوق پیدا کرنا اور محقق پروری ہے۔ یہ مجلّہ علماء اور دانشور حضرات کو دعوت دیتا ہے کہ وہ دینی، سماجی موضوعات پر اپنے قیمتی مقالات سے اس مجلّہ کے صفحات کو مزیّن فرمائیں۔ گزارش ہے کہ مقالات کی تدوین میں درج ذیل ہدایات کی مکمل پابندی کی جائے:

1. مقالات غیر مطبوعہ اور ترجیحی بنیادوں پر کمپوز شدہ ہوں۔ مقالہ کی ضخامت پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔ اصلی مآخذ اختیار کریں۔
2. نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں مجلّہ ہذا کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
3. مدیر مجلّہ کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ مجلّہ اپنی پالیسیوں کے پیش نظر مقالات کی تہذیب کا حق رکھتا ہے۔
4. مقالات Peer Review کے بعد ماہرین کی منظوری سے شائع کیے جائیں گے۔
5. مقالات کا ایچ ای سی کی مجوزہ روشِ تحقیق اے۔پی۔اے (APA) پر مشتمل ہونا ضروری ہے۔
6. مقالات میں کسی قسم کی Plagiarism یا علمی سرقت نہ ہو اور مقالات ترجیحی بنیادوں پر ایسے موضوعات پر ہوں جو ادارہ تجویز کرے۔ نیز مقالے کے کلیدی کلمات اور زیادہ سے زیادہ 150 الفاظ پر مشتمل اردو، انگریزی خلاصہ (Abstract) بھی بھیجا جائے۔
7. مقالات میں حوالہ جات Endnotes کی صورت میں مقالہ کے آخر میں Chicago Manual of Style References کے مطابق لکھے جائیں۔ اسی طرح کتابیات کے لئے بھی Chicago Manual of Style References کی پیروی کی جائے۔ مقالہ نگاروں کی رہنمائی کے لئے ذیل میں اس کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

- **کتاب سے حوالہ جات کے لئے:**

1) Footnote/endnote کے لئے درج ذیل طریقہ اپنائیں:

Number. First name Last name, *Title of Book* (City; Publisher; year), page[s] cited [or chapter number, if no page numbers], URL [incorporating DOI when possible].

مثال کے طور پر:

1. سید مرتضی، الزبیدی، تاج العروس، تحقیق: علی شیری (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1994ء)، 23۔
2. ناصر، مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج1، ترجمہ: سید صفدر حسین نجفی (لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، 1417ھ) 58، http://alhassanain.org/urdu/?com=book&id=192

2) Bibliography کے لئے درج ذیل طریقہ اپنائیں:

Last name, First name. *Title of Book*. City: Publisher; year. URL [incorporating DOI when possible].

مثال کے طور پر:

1۔ الزبیدی، سید مرتضی، *تاج العروس*، بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1994ء۔

2۔ مکارم شیرازی، ناصر، *تفسیر نمونہ*، ج1، ترجمہ: سید صفدر حسین نجفی، لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، 1417ھ۔

http://alhassanain.org/urdu/?com=book&id=192

- **علمی تحقیقی مجلات سے حوالہ جات کے لئے:**

1) endnote کے لئے درج ذیل طریقہ اپنائیں:

Number. First name Last name, " Title of Article", *Journal* volume, no. issue (year): page[s] cited, URL [when online version is consulted].

مثال کے طور پر:

1. محمد حسنین، شیخ، "مطالعہ قرآن کے اساسی اصول"، سہ ماہی سماجی، دینی تحقیقی مجّلہ نور معرفت، جلد 10، شمارہ 1 (2019ء) : 19۔
2. سید رمیز الحسن، موسوی، "عبقات الانوار فی امامۃ الائمۃ الاطہار" سہ ماہی سماجی، دینی تحقیقی مجّلہ نور معرفت، جلد 7، شمارہ 4-3 (2017): 170

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/wp-content/uploads/2018/04/10-Abqat-ul-Anwar-fi-Imamat-il-Aemmatil-Athar.pdf

2) Bibliography کے لئے درج ذیل طریقہ اپنائیں:

Last name, First name, " Title of Article", *Journal* volume, no. issue (year): page span. URL [when online version is consulted].

مثال کے طور پر:

موسوی، سید رمیز الحسن، "عبقات الانوار فی امامۃ الائمۃ الاطہار" سہ ماہی سماجی، دینی تحقیقی مجّلہ نور معرفت، جلد 7، شمارہ 4-3 (2017): 165-184۔

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?cat=5128.

- اگر کسی کتاب کا مولف معلوم نہ ہو تو Footnote اور Endnote دونوں میں خود کتاب کا عنوان سب سے پہلے درج ہوگا۔
- کتابوں اور مجلات وغیرہ کے نام Italicized شکل میں لکھے جائیں گے۔

- معروف شہروں کے نام کے ساتھ ملک یا صوبہ کا لکھنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن غیر مشہور شہروں کے نام کے ساتھ ملک، صوبہ کا نام لکھنا بہتر ہے۔
- صفحہ نمبر درج کرنے سے پہلے ص یا صص نہ لکھنا بہتر ہے۔ محض نمبر لکھنے پر اکتفاء کریں۔
- پہلے حوالہ میں حوالہ کی مکمل تفصیلات درج کریں لیکن اگر ایک حوالہ کا تکرار ہو رہا ہو تو اسے مختصر صورت میں لکھیں۔ تاہم ایضا (Ibid) لکھنے سے پرہیز کرتے ہوئے مختصر حوالہ ہی لکھا جائے۔ مثال کے طور پر:

پہلی بار:

ناصر، مکارم شیرازی، *تفسیر نمونہ*، ج1، ترجمہ: سید صفدر حسین نجفی (لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، 1417ھ) 58،

تکرار کی صورت میں:

مکارم شیرازی، *تفسیر نمونہ*، ج1، 121۔

ضروری نوٹ:

مزید معلومات کے لئے Chicago Manual of Style Reference-17th edition ملاحظہ فرمائیں۔ یہ دستاویز آن لائن موجود ہے۔

مجلس ادارت

سرپرست اعلیٰ

سید امتیاز علی رضوی

سرپرست

سید علی مرتضیٰ زیدی

مدیر اعلیٰ

سید حسنین عباس گردیزی

مدیر

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

معاون مدیر

ڈاکٹر قیصر عباس جعفری

سید رمیز الحسن موسوی

ڈائریکٹر نور الہدیٰ مرکز تحقیقات

ڈاکٹر روشن علی

اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز، اسلام آباد

ڈاکٹر علی رضا طاہر

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر ساجد علی سبحانی

المصطفیٰ انٹر نیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر ابو تراب

قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد

قومی مجلس مشاورت

ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی

اے۔ جے۔ کے یونیورسٹی، آزاد کشمیر

ڈاکٹر کرم حسین ودھو

ریجنل ڈائریکٹوریٹ آف کالجز (لاڑکانہ)

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر قندیل عباس کاظمی

قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد ریاض

بلتستان یونیورسٹی، اسکردو

بین الاقوامی مجلس مشاورت

ڈاکٹر سید راشد عباس نقوی
اہل بیت یونیورسٹی تہران، ایران

ڈاکٹر یعقوب بشوی
جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ قم، ایران

ڈاکٹر سید تلمیذ حسنین رضوی
نیوجرسی، امریکا

ڈاکٹر غلام حسین میر
جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ قم، ایران

ڈاکٹر سکینہ حسین۔ آسٹریلیا

ناشر:

سید حسنین عباس گردیزی

پریس:

پکٹوریل پریس آبپارہ اسلام آباد

معاون دفتری امور:

طاہر عباس

کمپوزنگ وڈیزائننگ:

بابر عباس

رجسٹریشن فیس:

پاکستان، انڈیا: 500 روپے ;مڈل ایسٹ: 70 ڈالرز؛ یورپ، امریکہ، کنیڈا: 150 ڈالرز۔

مقالہ نگاروں کا تعارف

ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری۔اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی لاہور۔

E-Mail: khurshidahmadgcu@gmail.com

ڈاکٹر محمد سلطان شاہ۔ ڈین فیکلٹی آف لنگویجز، اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، جی سی یونیورسٹی لاہور۔

ڈاکٹر فیضان جعفر علی۔پورہ معروف کرتھی جعفر پور ضلع مئو، یوپی، ہندوستان۔

E-Mail: faizanjafar110@gmail.com

ڈاکٹر قیصر عباس جعفری۔اسسٹنٹ پروفیسر نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی (NDU)، اسلام آباد۔

E-Mail: qaisarjafri512@gmail.com

حافظ مختار حسین جعفری۔ایم۔ فل اہل بیت انٹر نیشنل یونیورسٹی، تہران، (ایران)۔

E-Mail: hussainmohamad700@gmail.com

ڈاکٹر سید محمد جواد شیرازی۔ تہران یونیورسٹی سے فلسفہ اسلامی میں پی ایچ ڈی۔

E-Mail: mjawad99@yahoo.com

پروفیسر ڈاکٹر محمد رضایی۔ڈین فلسفہ فیکلٹی، تہران یونیورسٹی (فارابی کمپس)

E-Mail: mmrezai@ut.ac.ir

اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر روح اللہ شاکری۔ تہران یونیورسٹی (فارابی کمپس)۔

E-Mail: shaker.r@ut.ac.ir

مظہر حسین بھدرو۔پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یو، لاہور۔

E-Mail: mazharhussainbhadroo@gmail.com

ڈاکٹر محمد عابد ندیم۔ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج، لاہور۔

محمد شریف۔ پی ایچ ڈی اسکالر انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد۔

E-Mail: shareefnafees@gmail.com

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد۔ایسوسی ایٹ پروفیسر علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔

E-Mail: msajjadaiou@hotmail.com

حسن رضا نقوی۔ پی ایچ ڈی اسکالر، مینجمنٹ سائنسز ڈیپارٹمنٹ، تہران یونیورسٹی، ایران۔

E-Mail: razanaqvihasan2@gmail.com

ڈاکٹر محمد غفاری فرد۔ اسسٹنٹ پروفیسر، ایچ اوڈی آف اکنامک ڈیپارٹمنٹ آف اہل بیت انٹر نیشنل یونیورسٹی، تہران، (ایران)۔

E-Mail: mghunivers1390@gmail.com

مظہر حسین۔ ایم۔ فل اسلامک اکنامکس، اہل بیت انٹر نیشنل یونیورسٹی، تہران، (ایران)۔

E-Mail: mazharhussain229@gmail.com

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مقالہ نگار	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	9
۲	قرآن کریم کے اولین لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی تراجم	ڈاکٹر محمد سلطان شاہ	13
۳	قرآن اور دعوت فکر و نظر	ڈاکٹر فیضان جعفر علی	41
۴	رحمت خدا کا اسلامی تصور	ڈاکٹر قیصر عباس جعفری	57
۵	امّتوں کے زوال کے اسباب	حافظ مختار حسین جعفری	80
۶	اسلام، ایک عالمی دین	ڈاکٹر سید محمد جواد شیرازی	90
۷	فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ- ایک مطالعہ	مظہر حسین بھدرو	99
۸	سید جعفر مرتضیٰ عاملی، ایک منفرد سیرت نگار	محمد شریف	115
۹	اسلامی اور مغربی تمدن میں بنیادی فرق	حسن رضا نقوی	127
۱۰	Evaluating the Economic Resilience of SAARC Countries by using AHP-TOPSIS Approach	Dr. M. Ghaffari Fard	142

اداریہ

"مکتوباتِ اقبالؒ" کے مؤلف سید نذیر نیازی نے اپنی یادداشتوں میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب علامہ اقبال کے استاد، سر تھامس آرنلڈ کی وفات پر انہوں نے آرنلڈ کی کتاب "دعوت اسلام" اور دیگر تصنیفات کی بات کی تو علامہ اقبال نے بر محل کہا کہ دعوت اسلام اور اس جیسی کتابوں کا دھوکہ مت کھاو۔ آرنلڈ برطانیہ کی خاک کا وفادار تھا اور وہی خاک اس کا دین بھی تھی اور دنیا بھی۔۔۔ بلکہ سیاسی لحاظ سے دیکھا جائے تو نہ فقط آرنلڈ، بلکہ ہر مستشرق کا علم و فضل وہی راستہ اپناتا ہے جس سے استعمار کی ہوس پروری اور یورپ کی بادشاہی کے راستے ہموار ہوتے ہوں۔ یقینا "استشراق" کا لفظ اسی داستان کی غمازی کرتا ہے۔ اگر مسلم امّت نے اہل دنیا کے سامنے دینِ اسلام کی تعلیمات اپنی زبان و قلم سے پیش کی ہوتیں تو آج غیر مسلم دنیا اسلام کے بارے میں اُن غلط فہمیوں میں مبتلا نہ ہوتی جن میں مبتلا ہے۔ اس کے علاوہ، آج دنیا میں اسلام قبول کرنے کی رفتار اُس سے کہیں زیادہ ہوتی جو ہے۔ فرزند رسول، ثامن الائمہ علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر لوگوں کو ہمارے کلام کی خوبیوں کا علم حاصل ہو جائے تو وہ یقینا ہماری پیروی کریں گے۔

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم امّت خود اسلامی تعلیمات کو اہل دنیا اور اہل ملل و نحل کے سامنے رکھے تاکہ وہ ان تعلیمات کے محاسن سے آشنا ہو سکیں۔ عربی زبان و ادبیات کا مشہور مقولہ ہے کہ: "ما حكّ ظهرك مثل ظفرك" یعنی: "تیری پیٹھ، تیرے ناخن کی مانند کوئی نہیں کھجلا سکتا۔" اسی طرح اسلامی تعلیمات کو اہل دنیا کے سامنے خود مسلمانوں کی مانند کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ ہمیں بحیثیت مسلم امت، نہ فقط یہ کام انجام دینا ہے، بلکہ مستشرقین کے کام کا دقیق جائزہ بھی لینا ہے اور جہاں جہاں اسلامی تعلیمات کی ترجمانی میں مستشرقین نے غلطی کی ہے یا استعمار کی ہوس پوری کی ہے یا یورپ کی بادشاہی کی راہیں ہموار کی ہیں، ان کا سدّباب بھی کرنا ہے۔ اس حوالے سے پہلے قدم پر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا مستشرقین نے قرآن کے تراجم میں درست کام کیا ہے؟ ایسا اس لئے ضروری ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کی ترجمانی قرآن کی عین عبارات اور نص سے بڑھ کر کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد قرآن کے ترجمہ کی نوبت آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے قرآن کے تراجم پر نقد و نظر کا سلسلہ ہمیشہ قائم رکھا ہے۔

مجلّہ نورِ معرفت کے اِس شمارہ میں "قرآن کریم کے اولین لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی تراجم" کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ شامل ہے جس میں چند زبانوں میں قرآن کے تراجم کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مقالہ استشراق کے

نقد کی راہ میں ایک اہم قدم شمار ہو گا اور اِس سے مسلم امّت کو " كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ " کی رسالت کی انجام دہی میں مدد ملے گی۔اس شمارے کا دوسرا مقالہ بھی قرآنیات سے مربوط ہے جس میں قرآن کی "دعوت فکر و نظر" کو عنوان قرار دیا گیا ہے۔ یقینا یہ مقالہ بھی ایک ایسی قلمی کاوش ہے جس سے قرآنی تہذیب و تمدن کی بنیادیں استوار کرنے میں مدد ملے گی۔ در حقیقت، قرآن نے انسان کو فردی اور سماجی زندگی میں ایک ایک قدم مکمل فکر و نظر کے بعد اٹھانے پر تاکید کی ہے۔ مجلّہ نور معرفت اسی ڈگر پر چل رہا ہے اور اس کے زیر نظر شمارہ میں "رحمت خدا کا اسلامی تصور" کے عنوان پر ایک وزنی مقالہ بھی شامل ہے جو اپنی جگہ خود قرآنی آیات و تعلیمات میں غور و خوض اور فکر و نظر کا مصداق ہے۔خدا کی رحمت ایک ایسی حقیقت ہے جس نے حضرت علی علیہ السلام کے بقول کائنات کی ہر شئے کو اپنے دامن میں جگہ دے رکھی ہے۔ اگر ایسا ہے تو رحمتِ خدا کے اس وسیع مفہوم سے گہری آشنائی، اُس کے مصادیق کی تشخیص اور اس خدا کی رحمت واسعہ سے مایوس نہ ہونے کے لئے رحمت خدا کا درست اور دقیق فہم بہت ضروری ہے۔ یہ مقالہ اسی سمت میں ایک اہم قدم ہے۔

دنیا ایک ایسی ستیزہ گاہ ہے جس کے حریف پنجہ فگن نئے نہیں اور یہاں امّتوں کے عروج و زوال کی داستان بھی نئی نہیں ہے۔ تاہم روز مرّہ زندگی کے امور میں انہماک انسان کو اس داستان سے غافل بنا دیتا ہے اور "گاہی گاہی باز خواں این قصہ ی پارینہ را" کے مصداق کے طور پر اس داستان کو دہرانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مجلّہ نور معرفت کے اس شمارہ میں "امّتوں کے زوال کے اسباب" کے موضوع پر ایک مقالہ شامل ہے جو زوال سے بچنے کے متلاشیوں کے لئے سراسر نصیحت ہے۔ اسی کے ساتھ اس شمارے کا اگلا مقالہ "اسلام ایک عالمی دین" کے عنوان سے مزین ہے۔ یہ مقالہ در حقیقت، عروج کی طالب امّت کا ROAD MAP ہے۔اس مقالہ میں یہ اجاگر کیا گیا ہے کہ آخر الزمان میں اسلام کیونکر ایک عالمی دین بن جائے گا۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان اسباب کے تحقق کے لئے بھرپور کام کر سکیں اور اسلام کو جلد تنہا عالمی دین بنا دے تاکہ مصائب و مشکلات میں جکڑی اقوامِ عالم کو دنیا و آخرت کی فلاح و نجات حاصل ہو سکے۔

اس شمارے کے دامن میں "فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ - ایک مطالعہ" ایک ایسا مقالہ ہے جو عربی ادبیات کے ماتھے کے جھومر کی رونمائی کرتا ہے۔ یہ قصیدہ جس ہستی کی شان میں لکھا گیا ہے اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے منقول ایک روایت کے مطابق جب روز محشر ندا دی جائے گی: "عبادت گزاروں کی زینت کہاں ہیں؟" تو اِس ندا پر فرزند رسول حضرت امام سجاد علیہ السلام ہی قد علم فرمائیں گے۔ یقینا اس قصیدے کے محسّنات اور جس ہستی کی شان میں یہ قصیدہ لکھا گیا ہے اس کے محاسن کا مطالعہ ہماری فکر و نظر اور علم و عمل کی درستگی کا موجب ہے۔

عالم کی موت سے اسلام میں ایسا رخنہ پیدا ہوتا ہے جسے کوئی چیز پر نہیں کر سکتی۔ گذشتہ دنوں عالمِ اسلام ایک ایسے فقدان سے دوچار ہوا ہے۔ جس وقت " سید جعفر مرتضیٰ عاملی ، ایک منفرد سیرت نگار "کے عنوان پر مقالہ لکھا جا رہا تھا، آپ زندہ تھے۔ آپ داعی اجل ہوئے تو آپ کی خدمات کے تعارف میں یہ مختصر مقالہ شائع کرنے پر ہمیں اتنی تسلی ملی کہ ہم نے آپ کو کچھ تو متعارف کروایا ہے۔ خدا آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائے اور اس مقالہ کے توسط سے ہمارے قارئین کو آپ کی تصنیفات سے بہتر سے بہتر آشنا فرمائے !

اقوامِ عالم کے درمیان چپقلش کے ہزاروں اسباب ہیں، لیکن ان میں ایک عمدہ سبب، ایک دوسرے کے اعتقادات اور رسم و رواج کی فکری بنیادوں سے ناآشنائی ہے۔ بنی نوع بشر کا اساسی مسئلہ یہی ہے کہ ہر فرقہ اپنے عقائد پر راضی اور خوش ہے: " كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ "۔ اے کاش! معاملہ یہیں ختم ہو جاتا ! لیکن یہ معاملہ اور آگے بڑھتا ہے اور ہر فرقہ ، دوسروں پر اپنے عقائد ٹھونسنے کی ہوس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ طرز زندگی افراد و اقوام کے درمیان چپقلش کا موجب ہے۔

اس کے برعکس، اگر افراد و اقوام ایک دوسرے کے اعتقادات اور طرزِ زندگی کی فکری بنیادوں سے آشنا ہو جاتے اور برتر منطق کو قبول کرتے تو سبھی اپنے بود و باش کو برتر منطق کے تابع کر لیتے۔ اگرچہ تاریخ بشریت میں آج تک ایسا نہیں ہو سکا لیکن انسانی سماج کے ماہرین اور ادیان عالم کے مرشدین اُس دن کے انتظار میں ہیں جب افراد و اقوام برتر منطق کی بنیاد پر استوار تہذیب و تمدن کو اپنا کر سب ہم رنگ ہو جائیں گے۔ اس بڑے انسانی سماج اور یکساں تہذیب کی تشکیل کی راہ میں قدم بڑھانے والوں نے تہذیبوں کے درمیان مکالمے کو ضروری گردانا ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی اور مغربی تہذیب و تمدن کے درمیان مکالمے کے لئے بہتر سے بہتر فضا سازی ضروری ہے۔ مجلّہ نور معرفت کے اس شمارہ میں " اسلامی اور مغربی تمدن میں بنیادی فرق"کے عنوان پر ایک مقالہ، درحقیقت، اسی فضا سازی کے عمل کا حصّہ ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ سماجیات کے ماہرین کے لئے یہ مقالہ رہنما ثابت ہو گا۔

نور معرفت کے اس شمارے کا آخری مقالہ " EVALUATING THE ECONOMIC RESILIENCE OF SAARC COUNTRIES BY USING AHP-TOPSIS APPROACH "کے عنوان سے مزین ہے۔ یہ مقالہ عالمی اقتصادیات کے باب میں ایک متفاوت تگ و دَو کے خدّوخال اجاگر کرتا ہے۔ اس مقالہ کی *Worth* کے بارے میں ہمارے ملک کے ایک معروف ماہر اقتصادیات کا کہنا ہے کہ :

The paper responds to a new discussion in economics regarding the global financial crises of 2007-8. Using appropriate Analytical Approach the study attempts to find the ranking of SAARC countries on progress in

selected determinants of the economic resilience and exogenous shocks. The paper is important due to emerging economic dynamics of CPEC and other regional economic changes .

یہ جملات اس مقالہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ مجلّہ نور معرفت کے قارئین کے لئے یہ مقالہ بھی انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ معرفت کا نور جو کہ درحقیقت، علم و دین کا نور ہے، زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے! آمین یا ربّ العالمین!

* * * * *

قرآن کریم کے اولین لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی تراجم

First Latin, French and English translations of the Holy Qur'ān

Dr. Muhammad Sultan Shah
Dr. Hafiz Khurshed Ahmed Qadri

Abstract:

The Holy Qur'an has been translated by many scholars, both Muslim and orientalist. Latin was the first western language into which the Holy Qur'an was translated. In 1143, an Englisman, Robert of Ketton, completed his Latin translation of the Muslim scripture which was published in 1543 by Theodore Buchmann of Basel. Andre du Ryer rendered the Holy Qur'an into French and published it in 1647. Alexander Ross was the first to translate it into English. His translation, published in 1649, was based on du Ryer's French translation. This article introduces the earliest renderings of the Holy Qur'an in three Western languages- Latin, French and English. These translations have been analysed and some of the lacunae have been emphasized.

***Key words**: The Holy Qur'ān, Translations, Lacunae, Orientalists.*

خلاصہ

قرآن کریم کا بہت سے مسلمان اور مستشرق علماء نے ترجمہ کیا ہے۔ لاطینی پہلی مغربی زبان ہے جس میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا گیا۔ کیٹن سے تعلق رکھنے والے ایک انگریز رابرٹ (Robert of Ketton) نے مسلمانوں کے صحیفۂ آسمانی کا لاطینی زبان میں ترجمہ 1143ء میں مکمل کر لیا، جسے باسل کے تھیوڈور بچ مین (Theodore Buchmann of Basel) نے 1543ء میں شائع کیا۔ آندرے دوغیے (Andre du Ryer) نے قرآن کریم کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرکے 1647ء میں شائع کیا۔ انگریزی زبان میں قرآن کریم کا پہلا مترجم الیگزینڈر راس (Alexander Ross) تھا۔ اس کا ترجمۂ قرآن کریم جو 1649ء میں شائع ہوا، اس کی بنیاد دوغیے کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن پر تھی۔ یہ مقالہ تین مغربی زبانوں لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی کے اولین تراجمِ قرآن کریم کے تعارف پر مشتمل ہے۔ محولہ بالا تینوں تراجم کا تجزیہ کرکے کچھ تسامحات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

کلیدی کلمات: قرآن کریم، تراجم، تسامحات، مستشرقین۔

یہ صلیبی جنگیں تھیں جنھوں نے پہلی مرتبہ مغرب کا اسلام سے تعارف کرایا۔ لیکن 1096ء سے 1270ء تک قریباً دو صدیوں کے درمیان ہم مسلمانوں کی مقدس کتاب کو یورپ سے متعارف کرانے کی صرف ایک کوشش بارے سنتے ہیں۔ یعنی قرآن کریم کا لاطینی ترجمہ۔[1] ہو سکتا ہے کہ یورپی لوگوں کے قرآن کریم کے ساتھ علمی تعلق کا آغاز بارھویں صدی کے دوسرے ربع (1142-43) میں پیٹر دا وینیریبل(1156-1090/94ء ,Peter the Venerable)ایبٹ آف کلگنی (Abbot of Clugny) کے دورۂ طلیطہ (Toledo) سے ہوا ہو۔ اس نے علمی انداز میں اسلام کا جائزہ لینے کے ارادے سے علماء کی ایک جماعت جمع کر لی۔ اسی کوشش کے ایک حصے کے طور پر ایک انگریز رابرٹ آف کیٹن___ جس کا نام اکثر بگاڑ کر رابرٹس کیٹی نینسس (Robertus Ketenensis) لکھا جاتا ہے___ نے قرآن کریم کا لاطینی زبان میں ترجمہ جولائی 1143ء میں مکمل کیا۔[2] یہ ترجمۂ قرآن قریباً چار صدیوں تک مسودے کی صورت میں پڑا رہا۔ بارھویں صدی عیسوی کے وسط میں رابرٹ آف کیٹن کا ترجمۂ قرآن مشہور اوپورینو پریس (Oporino Press) سے طبع ہو کر 1543ء میں باسل (Basel) سے شائع ہوا۔ اسے تھیوڈور بچ مین (Theodore Buchmann) نے مرتب کیا جو زیورچ (Zurich) کا ایک عالمِ دینیات تھا۔ علمی دنیا میں یہ اپنے لاطینیت زدہ (Latinised) نام ببلی اینڈر (Bibliander) سے جانا جاتا ہے۔ ایک طویل عنوان سے لدی ہوئی کتاب میں ببلی اینڈر کا لکھا ہوا اعتذار بھی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے متون اور طباعتیں بھی اس کا حصہ تھیں۔[3]

رابرٹ انگلستان کے گاؤں کیٹن کا باسی تھا۔ بنیادی طور پر اس کی دل چسپی فلکیات اور علمِ ہندسہ میں تھی۔ اُس نے مسلمان سائنس دانوں اور فلسفیوں کی الکیمیا، الجبرا، علمِ ہندسہ اور فلکیات پر کتب کا لاطینی زبان میں اس دوران ترجمہ کیا[4] جب کہ وہ ببلونہ (PAMPLONA) میں بشپ اور کے تطیلہ (TUDELA) (الحکم کا قائم کردہ شہر) کے بڑے گرجے کا رکن تھا۔[5]

یہ بات دل چسپی سے خالی نہیں ہو گی کہ ایک مسلمان جس کا نام صرف 'محمد' بتایا گیا، نے پیٹر داوینیرایبل *(Peter the Venerable)* کے لیے ترجمۂ قرآن کریم میں حصہ لیا۔ چونکہ اس مسلمان سے متعلق معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں، اس لیے یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ اسے ہسپانیہ میں ترجمۂ قرآن کریم کے کام میں معاونت کے لیے راضی کیا گیا۔ پیٹر داوینیرایبل نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اس بات کو یقینی بنانا اس کے فرائض میں شامل تھا کہ ترجمۂ قرآن میں اس کے متن کے ساتھ وفاداری کے عنصر میں ذرا بھی کمی نہ آنے پائے اور نہ ہی دھوکہ دہی کی نیت سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیا جائے۔ اس طویل اور خاص علمی کام کی منصوبہ بندی اور مالی سرپرستی کے حوالے سے بلکہ ہسپانیہ میں بارھویں صدی عیسوی کی ترجمہ نگاری کی سرگرمیوں کے زیادہ وسیع تناظر میں بھی اعتماد کی یہ صورت حال تعجب

انگیز ہے۔ اس مسلمان [محمد] کی ذمہ داری بس اتنی معلوم ہوتی ہے کہ وہ دوسرے مترجمین کی عربی الفاظ کے درست معانی تک رہنمائی کرے اور اسی طرح عمومی طور پر اسلامی عقائد سے آگاہ کرے۔[6]

کیٹن کے رابرٹ نے ترجمۂ قرآن کریم پر اپنے مقدمے میں اشارہ کیا ہے کہ اس سلسلے میں اسے اچھی خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآنی متن کے ساتھ جو بے جا بے تکلفی برتنے کی کوششیں کی گئیں، ان میں سے ایک یہ کہ اس نے قرآنی سورتوں کو اپنے انداز میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم کا آغاز اس نے سورۃ البقرہ کو تین اجزاء میں تقسیم کرکے کیا۔ قرآنی سورتوں کی مزید تقسیم کا یہ عمل اس نے جہاں ضروری سمجھا، جاری رکھا۔ اس طرح اس نے سُورتوں کی روایتی تعداد ۱۱۴ میں نو سُورتوں کا اضافہ کر دیا۔ قرآن کریم کے اسلوب اور مشمولات کے حوالے سے کہیں کہیں آنے والے اس کے چوٹ دار تبصروں کی بنیاد پر یہ خیال کیا جاسکتا تھا کہ پیٹر دا وینیر ایبل نے مسلمانوں میں قرآن کریم کے مقام و مرتبہ سے متعلق غلط اندازہ لگایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ تھا کہ قران کریم ایک منفرد اور اسلام کے ماننے والوں کے لیے خدا کی طرف سے نازل کردہ کلام ہے۔[7]

اس نے اپنے زعم باطل کے مطابق اپنے ترجمۂ قرآن کا درج ذیل عنوان منتخب کیا:

> *"Lex Mahumet Pseudoprophete (The Law of Mahomet the pseudo-Prophet) and it survives in seven Medieval manuscripts, one of them fragmentary."*[8]

> "نعوذ باللہ) جھوٹے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قانون۔ یہ ہاتھ سے لکھے ہوئے سات نسخوں کی صورت میں باقی رہا۔ اُن میں سے ایک جزوی (نسخہ) تھا۔"

اس ترجمۂ قرآن کریم اور اس کے عنوان پر بہت سے مستشرقین نے تنقید کی ہے۔ جارج سیل جس نے قرآن کریم کا براہِ راست عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا، وہ اس سے متعلق کہتا ہے:

> ''اس کتاب کا جو لاطینی ترجمہ ببلی اینڈر نے شائع کیا، ترجمہ کہلانے کا مستحق نہیں، اس میں غیر ذمہ دارانہ بے تکلفی برتنے کی کوشش کی گئی، حروف و الفاظ کو نظر انداز کرنا اور اپنی طرف سے الفاظ شامل کرنا، دونوں طرح کی بے شمار غلطیاں ہیں۔ جس سے اصل اور ترجمے میں بہت کم مشابہت باقی رہ جاتی ہے۔''[9]

ڈینیئل ویرسکو (Daniel Varisco) کے مطابق رابرٹ آف کیٹن ہمیشہ اس بات کا ذمہ دار رہا ہے کہ وہ ایک بے ضرر متن کو زیادہ تیز کردے، یا مبالغہ کرکے اسے ایک ناگوار غیر اخلاقی رنگ دے دے، یا کسی معنی کی ایک ناممکن یا ناخوشگوار وضاحت کو قرین قیاس بلکہ روایتی یا معتبر مان لے۔[10] ہیڈرین ریلینڈ (Hadrian Reland) نے اپنی کتاب De Religions Mohammedica میں شکایت کی ہے کہ ''یہ قرآن کریم کا بدترین لاطینی ترجمہ تھا۔''[11] ڈینیئل مارٹن وریسکو کے مطابق ''(قرآن کریم کا) لاطینی ترجمہ اغلاط اور بے ربطی

سے معمور ہے۔"[12] بوبزن (Bobzin) نے اسے "لاطینی زبان میں قرآن کریم کی بہت زیادہ نادرست ترجمانی قرار دیا۔[13] اور اسے ترجمہ کے بجائے ترجمانی ہونے کی وجہ سے بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ بہر حال یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی ناانصافی پر مبنی ہوگا کہ اس کی کتاب "Lex Mahumet" چونکہ ایک ترجمہ نہیں ترجمانی ہے، اس لیے یہ ایک خراب ترجمہ ہے[14]۔ اشاعتی عمل نے اس کی اغلاط میں مزید اضافہ کر دیا۔ ہیری کلارک (Harry Clark) نے نشان دہی کی ہے کہ رابرٹ آف کیٹن کے ترجمۂ قرآن کا جو مسودہ ببلی اینڈر نے اشاعت کے لیے استعمال کیا وہ "تبدیلی و تحریف کی وجہ سے ایک مسخ شدہ" مسودہ بن گیا تھا۔ حالانکہ وہ عربی لکھ پڑھ سکتا تھا، اس کے باوجود اس ترجمۂ قرآن کا دوبارہ گہری نظر سے جائزہ نہیں لیا گیا۔[15]

رابرٹ آف کیٹن نے قدیم قرآنی تفاسیر پر انحصار کیا اور اپنے ترجمۂ قرآن کریم میں بہت سا مواد عربی تفسیری روایات سے شامل کیا۔[16] ہو سکتا ہے کہ اس نے مشکل الفاظ کے معانی جاننے کے لیے عربی لغات استعمال کی ہوں لیکن اس نے نہ صرف شاذ الفاظ بلکہ مشکل محاورات کو سمجھنے اور ترجمہ کرنے کے لیے تفاسیر پر زیادہ انحصار کیا۔[17]

اس کے اندر پائی جانے والی خامیوں کے باوجود کسی بھی مغربی زبان میں قرآن کریم کے پہلے ترجمے کے طور پر اسے یاد رکھا جائے گا۔ کچھ مغربی علماء اسے صحیفۂ مسلم کے عربی کے علاوہ کسی بھی زبان میں پہلے ترجمے کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ جیمز کرٹزیک (James Kritzeck) کہتا ہے کہ رابرٹ آف کیٹن کے ترجمۂ قرآن کریم کو روایتی طور پر کسی بھی زبان میں پہلا مکمل ترجمہ مانا جاتا ہے۔[18] لیکن قرآن کریم کا پہلا فارسی ترجمہ سامانی بادشاہ ابو صالح منصور ابن نوح (348-364ھ/ 961-976ء) [19] کے دور میں ہوا، جو لاطینی ترجمہ سے ۱۵۰ برس پہلے کا زمانہ بنتا ہے۔ اس طرح لاطینی ترجمۂ قرآن کو صرف کسی مغربی زبان میں پہلا ترجمہ ماننا چاہیے۔ اس لاطینی ترجمے کو بعد ازاں اینڈریا ایری ویبینے (Andrea Arrivabene) نے اطالوی زبان میں ڈھالا اور یہ 1547ء میں وینس (Venice) سے شائع ہوا۔ یہ اطالوی زبان میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ تھا۔[20] جے۔ ڈی۔ پیئرسن (J.D. Pearson) کے مطابق قرآن کریم کا ایک ولندیزی ترجمہ 1658ء میں گلیز میکر (Glazemaker) نے شائع کیا اور جرمن ترجمۂ قرآن کریم لینگ (Lange) نے 1688ء میں طبع کیا۔[21] اس نے پوسٹ نکوف (Postnikov) اور ویریوکن (Veryokin) کے کیے ہوئے روسی ترجمۂ قرآن کا ذکر بھی کیا ہے۔[22]

کسی بھی یورپی زبان میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ منفی سوچ (Agenda) کے تحت کیا گیا تھا۔ برمین (Burman) کا خیال ہے کہ پیٹر دا وینیر ایبل (1156-1092/94) نے رابرٹ آف کیٹن پر زور دیا کہ وہ مترجمین کی اس جماعت میں شامل ہو جائے جو قرآن کریم اور دوسری عربی کتب کے لاطینی ترجمے کے لیے بنائی گئی ہے تاکہ وہ لاطینی بولنے والے ان عیسائیوں کے لیے مفید ثابت ہوں جو مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کریں۔[23]

رابرٹ آف کیٹن کے لاطینی ترجمۂ قرآن کریم کی تکمیل سے تین نسلوں بعد 1210ء یا 1211ء میں، طلیطہ کے مارک (Mark of Toledo) جو تخمیناً 1193-1216 میں حیات تھا، کو بھی اسی طرح ترغیب دی گئی کہ وہ ایک طاقت ور سرپرست کی خاطر قرآن کریم کا لاطینی ترجمہ کرنے کے لیے سائنسی مطالعے کو ایک طرف رکھ دے۔ وہ آئیبیریا (Iberia) کا رہنے والا تھا۔ غالباً اس نے عربی زبان صحرائے عرب میں پرورش پا کر سیکھی۔ اس کی زیادہ شہرت طبّی کتب کے تراجم کے حوالے سے ہے۔ یہ طلیطہ کے طاقت ور آرچ بشپ (سب سے بڑا پادری) روڈرنگو جم اینز ڈی راڈا (Rodringo Jimenez de Rada - 1247-1208) اور اس کے ساتھ آرچ ڈیکن (بڑے پادری کا نائب) ماریشیس (Mauricius) تھے جنہوں نے طلیطہ کے مارک کو ترغیب دی کہ وہ نئے ترجمے پر کام کرے۔ یہ لاس نواس ڈی ٹولوسا (Las Navas de Talosa) کی اس فوجی اور علمی تحریک سے پہلے تیاریوں کا حصہ تھا جس میں ہسپانیہ کی عیسائی سلطنتوں نے الموحد کی فوج کو تباہ کر دیا اور آنے والے چار عشروں میں عیسائی فتوحات کے لیے ماحول (Stage) فراہم کر دیا۔[24]

طلیطہ کے مارک کا لاطینی ترجمۂ قرآن[25] "Liber Alchorani" یعنی "کتاب قرآن مجید" کہلاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یورپ میں اس (قرآن) کی اشاعت اسلام کے خلاف تعصب کو ظاہر کرنے والے کسی عنوان سے نہیں بلکہ اس کے درست عربی نام سے ہوئی۔[26] اس نے قرآن کریم کے عربی متن کی روایتی تقسیم کو برقرار رکھا اور سورتوں کے مشہور ناموں کو بھی تبدیل نہیں کیا۔[27] اس نے بڑی احتیاط سے قرآن کریم کے الفاظ کی ترکیب نحوی کے حوالے سے ___ عام طور پر ___ لفظی ترجمہ کرتے ہوئے پیروی کی۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اس کے ترجمے کو قرآنی عربی سامنے رکھتے ہوئے آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔[28] ڈی الوَرنے (d'Alverny) کے مطابق رابرٹ آف کیٹن کے اپنے لیکن تباہ کن ترجمۂ قرآن کی نسبت طلیطہ کے مارک کا ترجمۂ قرآن کریم کہیں زیادہ درست تھا کیونکہ اس نے قرآن کریم کا ترجمہ اسی طرح کیا جس طرح اس نے اور دوسرے مترجمین نے عربی کی سائنسی کتب کا ترجمہ کیا تھا۔ اس کا لاطینی ترجمۂ قرآن عربی الفاظ کی نحوی ترکیب سے جڑا رہتا ہے۔ یہ پوری طرح لفظی اور صحیفۂ مسلم کا قابل اعتبار ترجمہ ہے۔[29]

سر تھامس ایڈمز (Thomas Adams) نے 1632ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں "عربی چیئر" قائم کی۔ آرچ بشپ لاوُڈ نے 1636ء میں اس کے برعکس آکسفورڈ یونیورسٹی کے اندر "عربی چیئر" کی سرپرستی کی۔ اُس نئے دور کا پہلا اہم عربی دان ولیم بیڈویل (William Bedwell) تھا۔ اس نے اُس وقت کی عربی زبان سے متعلق یوں لکھا: مذہبی تعلیمات کی واحد زبان جو فارچونیٹ جزائر (Fortunate Isles) سے لے کر چین کے سمندروں تک سفارت کاری اور تجارت کے لیے سب سے بڑی زبان ہے۔30 آربیری کے مطابق اس نے قرآن کریم کا

سب سے پہلا ترجمہ پیش کیا۔31 لیکن اس کا سوانح نگار، ہیملٹن، بیڈویل کے لکھے کسی مکمل یا نامکمل ترجمہِ قرآن کریم کا ذکر نہیں کرتا۔ بیڈویل (1563-1632ء) نے دراصل 1615ء میں اپنی کتاب "Mohammedis imposturae" [نعوذ باللہ] "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دھوکا" شائع کی اور 1624ء میں اسی کتاب کو "Mahomet Unmasked" "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اصل چہرہ" کے نئے عنوان سے دوبارہ پیش کیا گیا۔ دونوں اشاعتوں کے عنوانات بیڈویل کے خبث باطن کو ظاہر کر رہے ہیں۔ اس نے کتاب کے عنوان کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

"A Discovery of the Manifold Forgeries, Falsehood, and Horrible Impieties of the Blasphemous Seducer."[32]

"[نعوذ باللہ] ایک کثیر الجہات جعل سازی، دروغ گوئی، اور مذہب کی بے حرمتی کرنے والے دھوکے باز کی ہولناک بدچلنیوں کی دریافت۔"

عنوان میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں:

"*The Cursed Alcoran*" [نعوذ باللہ] قابل نفرین قرآن

یہ درحقیقت مکہ سے واپس آنے والے (بھیس بدل کر روپ دھارنے والے) دو مسلمانوں کے درمیان اسلام مخالف گفتگو کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس میں *The Arabian Trudgman* "عربی پیادہ" اور "*Index Assuratarum Muhammedici Alcorani*" بھی شامل ہیں۔ اس میں چونکہ صرف قرآنی سورتوں کا ایک اشاریہ *(Index)* ہے۔ اس لیے اسے مسلم صحیفہ کا ایک نامکمل یا جذوی ترجمہ کہا گیا۔

قرآن کریم کے منتخبات، پہلی مرتبہ اس کا انگریزی ترجمہ مطبوعہ 1515ء اس طرح سامنے آیا:

"Here Begynneth a Lytell Treatyse of the Turkes Lawe Called Alcoran. And also it speketh of Machamet the Nygromancer." Printed by Wynken de Worde. 33

"یہاں ترکوں کے قانون سے متعلق ایک چھوٹے علمی مقالے کا آغاز ہوتا ہے جسے القرآن کہا جاتا ہے۔ یہ حبشیوں کے آقا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق بھی بات کرتا ہے۔ اسے وینکن ڈی ورڈے *(Wynken de Worde)* نے شائع کیا۔"

اکمل الدین احسان اوغلو کہتے ہیں کہ ۶۱ صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ اور تعارف اس بات کی طرف ایک اشارہ ہے کہ انگلستان کے اندر اسلامی عقائد اور تعلیمات سے دل چسپی گو محدود تھی بہت سے یورپی ممالک سے پہلے شروع ہوئی۔[34]

سر ہینری سپیل مین (Sir Henry Spelman) کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر تھا۔ اس نے انگریزی زبان میں قرآن کریم کی تردید کا ارادہ کیا۔35 کیمبرج یونیورسٹی میں اس نے پرانی انگریزی زبان کے مطالعے

(Anglo-Saxon Studies) کے لیے 1639ء یا 1640ء میں ایک چیئر قائم کی اور اس کی مالی مدد کی۔ نیا تخلیق شدہ منصب ابراہام ویلوک (Abraham Wheloc or Wheelock) کو دیا گیا جو یونیورسٹی میں عربی زبان کا پروفیسر تھا۔ 36

لاطینی ترجموں کے بعد آندرے دوغیے *(Ca 1660-1580)* نے قرآن کریم کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جو 1647ء میں شائع ہوا۔ آندرے دوغیے نے عربی اور ترکی زبانیں مصر سے 1620ء کے عشرے کے ابتدائی حصے میں سیکھیں۔ جہاں وہ مشرقی بحیرۂ روم کے علاقے میں فرانسیسی تاجروں کے لیے نمائندہ افسر کے طور پر خدمات انجام دیتا تھا۔ فرانسیسی سفیر کی معیت میں وہ 1631ء میں استنبول پہنچا۔ جہاں انہوں نے مشرقی مخطوطات اور نوادرات کو اپنے *Cabinets of Wonder* "عجائبات کی الماریاں" کے لیے جمع کرنا شروع کردیا لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یورپی لوگوں کی طرف سے اس طرح کی جستجو سیاسی مقاصد سے مُبرّا نہیں ہو سکتی۔ [37]

دوغیے کافی حد تک ان مخطوطات سے متاثر تھا جو اس نے شیخ سعدی کی "گلستان" کا ترجمہ شائع کرنے کے لیے 1634ء میں جمع کیے۔ اس طرح اس نے ایک رجحان کا آغاز کیا جو پون صدی بعد الف لیلۃ ولیلۃ کے فرانسیسی ترجمے میں حد کمال کو پہنچا۔ ایک مترجم کے طور پر دوغیے کی شہرت کی وجہ 1647ء میں کیا گیا قرآن کریم کا فرانسیسی زبان میں جرأت مندانہ ترجمہ ہے۔ نہ تو ناشر اور نہ ہی شہری انتظامیہ اس بات کے حق میں تھے کہ قرآن کریم کو مقامی زبان میں شائع کیا جائے۔ جیسا کہ ہیملٹن *(Hamilton)* اور رچرڈ *(Richard)* نے وضاحت کی ہے کہ دوغیے کو خطرہ تھا کہ اس کے ترجمۂ قرآن کا اچھا استقبال نہیں ہوگا۔ اس لیے اس نے اپنے مقدمے میں اسلام مخالف سخت کلامی کو شامل کیا۔ اس کی دل چسپی زبان کی خوب صورتی اور بیان کی صحت پر نہیں بلکہ اس بات میں تھی کہ اس کا ترجمۂ قرآن فرانسیسی قارئین کے لیے قابل قبول بن جائے۔ دوغیے نے ترجمۂ قرآن میں بہت سی غلطیاں کیں اور اس نے اپنے ترجمۂ قرآن میں سورتوں اور آیات کی تقسیم کو ملحوظ نہیں رکھا۔ تاہم مطالعۂ مشرق کی تاریخ میں یورپ کے اندر پہلی مرتبہ قرآن کریم کا ترجمہ اور وضاحت مسلمان مفسرین کی تحریروں کے حوالے سے کی گئی اور دوغیے کا کارنامہ اتنا اصلی تھا (اور غیر متوقع طور پر مقبول) کہ یورپی زبانوں میں بعد ازاں ہونے والے بہت سے تراجم قرآن کا اسی پر انحصار رہا۔ [38]

دوغیے کا عظیم ترین کارنامہ 1647ء میں شائع ہونے والا اس کا فرانسیسی ترجمۂ قرآن کریم ہے۔ یہ مقامی زبان میں اشاعت پذیر ہونے والا پہلا مکمل ترجمۂ قرآن تھا جو دوسری یورپی زبانوں میں ترجمہ کے لیے نمونہ بنا۔ اس کا مقدمہ ناگوار ہے اور وہ اسلام کے خلاف یورپی تعصّبات کو اپنے "*Summary of the Religion*" (خلاصۂ مذہب)

میں بڑے مان سے بیان کرتا ہے۔ لیکن یہ طریقے اپنی حقیقی ہمدردیوں کو چھپانے کے لیے استعمال کئے گئے اور یہ ترجمہ متنِ قرآن کے کافی قریب معلوم ہوتا ہے۔[39]

احمد گنّے (Ahmad Gunny) کے مطابق دوغیے کی نسبت کلاڈ سیواری(Claude Savary) 1738ء میں شائع ہونے والے اپنے ترجمۂ قرآن کے مقدمے میں کم انصاف پسند تھا۔[40] شیخ الشباب عمر کی رائے ہے کہ دوغیے نے "کسی بھی قدیم ترجمۂ قرآن کریم جیسا کہ رابرٹ آف کیٹن کا 1143ء میں ہونے والا لاطینی ترجمۂ قرآن، 1547ء میں شائع ہونے والا ایری وبینے (Arrivabene) کا اطالوی ترجمۂ قرآن، 1623ء میں شائع ہونے والا شویگر (Schweigger) کا المانوی ترجمۂ قرآن سے رہنمائی حاصل کئے بغیر اپنا متن تخلیق کیا۔[41]

کینتھ سیٹن (Kenneth Setton) کہتا ہے: "یہ مقامی زبان میں پہلا ترجمۂ قرآن تھا جسے زیادہ تر یورپی لوگ پڑھ سکے۔[42] جارج سیل نے دوغیے کے ترجمۂ قرآن کو "ایک بہت خراب ترجمۂ قرآن[43] (A very bad one) "قرار دیا۔ دو سال بعد الیگزینڈر راس (Alexander Ross) نے اس فرانسیسی ترجمۂ قرآن کو انگریزی زبان میں ڈھالا۔ بدقسمتی سے وہ عربی بالکل نہیں جانتا تھا اور فرانسیسی زبان میں اس کی مہارت میں بہت سا خلاء تھا۔ اسی لیے یہ ترجمۂ قرآن اغلاط سے معمور ہے اور بعض مقامات پر یہ حقیقی معنی سے بالکل مختلف مفہوم ادا کرتا ہے۔

کچھ علماء غلطی سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ قرآن کریم کے پہلے فرانسیسی مترجم تھے۔[44] اور چارلس جے۔ ایڈمز (Charles J. Adams) بیان کرتا ہے کہ "سب سے پہلا فرانسیسی ترجمۂ قرآن راجیس بلاشیئر (Ragis Blachere) نے کیا۔[45] سید رضوان علی ندوی[46] کا خیال ہے کہ "Le Saint Coran" کسی مسلمان عالم کا کیا ہوا پہلا فرانسیسی ترجمۂ قرآن کریم ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے خود اپنے مضمون "قرآن کریم کے فرانسیسی تراجم" میں قرآن کریم کے ۲۵ فرانسیسی تراجم کا ذکر کیا ہے۔[47] ان میں سے زیادہ تر نامکمل، غیر مطبوعہ اور آج عدم دستیاب ہیں لیکن ان میں سے آٹھ مکمل ہیں اور ڈاکٹر حمید اللہ کے ترجمۂ قرآن سے پہلے شائع ہو چکے تھے۔ ان میں سے دو مسلمان مترجمین کے کئے ہوئے تراجم قرآن کریم بھی تھے۔ سب سے پہلا مکمل فرانسیسی ترجمۂ قرآن جو شائع ہوا وہ "L' Alcoran de Mahomet" کے زیر عنوان 1647ء میں دوغیے نے کیا۔ یہ ڈاکٹر حمید اللہ کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن سے ۳۱۲ برس پہلے کی بات ہے۔

سکاٹ لینڈ کا ایک عالم جس نے بے نام رہنے کو محفوظ اور قابل ترجیح سمجھا۔ اس نے دوغیے کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن کو انگریزی میں ڈھالا۔ بے نام مترجم کا کیا ہوا یہ ترجمۂ قرآن 1649ء میں سامنے آیا۔ اس میں ناشر، پرنٹر، اور تقسیم کنندہ، کسی کا بھی نام نہیں تھا۔ کیونکہ کسی میں بھی یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ ایسے خطرناک کام (قرآن کریم کے ترجمہ کی اشاعت) کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا۔ الیگزینڈر راس نے اس ترجمۂ قرآن کا قاری سے تعارف

"(Needed Caveat) ضروری تنبیہ" کے زیرِ عنوان کرایا۔ قاری کے ذہن کو روشن کرنے کے بجائے اس کی زیادہ توجہ اپنی حفاظت کی طرف تھی۔[48] اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کریم میں اسلام سے متعلق اس کے کچھ ناگوار نظریات اس کے پہلے صفحے سے ہی واضح ہیں جو درج ذیل ہیں:

"The Alocran of Mahomet, Translated out of Arabick into French. By the Sieur du Ryer, Lord of Malezair, and Resident for the French King, at ALEXANDRIA. And Newly Englished, for the satisfaction of all that desire to look into the Turkish vanities. To which is prefixed, the Life of Mahomet, the Prophet of the Turks, and Author of the Alcoran. With a Needful Caveat, or Admonition, for them who desire to know what Use may be made of, or if there be danger in Reading the ALCORAN."[49]

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا القرآن، عربی سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا گیا۔ محترم دوغیے کے قلم سے، میلزیر کے آقا، اسکندریہ میں فرانسیسی بادشاہ کے نمائندے، نئے انداز میں انگریزی ترجمہ، ان تمام لوگوں کی تسلی کے لیے جو ترکوں کی خود بینی کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ القرآن کے مؤلف، ترکوں کے پیغمبر، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالاتِ زندگی ملحق ہیں۔ ایک لازمی تنبیہ یا ملامت کے ساتھ، ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہتے ہیں کہ اس [کلام] کا کیا استعمال کیا جائے، یا یہ جاننا چاہتے ہیں کہ القرآن کو پڑھنے میں کوئی خطرہ تو نہیں۔"

الیگزینڈر راس (1590-1654ء) اسکاٹ لینڈ کا رہنے والا ایک زود نویس اور متنازع لکھاری تھا۔ وہ ایبرڈین (Aberdeen) میں پیدا ہوا اور 1604ء میں کنگز کالج ایبرڈین میں داخل ہوا۔ قریباً 1616ء میں وہ تھامس پارکر (Thomas Parker) کی جگہ ساؤتھیمپٹن کے فری سکول کا ہیڈ ماسٹر متعین ہوا۔ اس تقرری کی وجہ اس نے ہرٹ فورڈ کے نواب ایڈورڈ سیمور (Edward Seymour) کو قرار دیا۔[50] وہ 1634ء سے اپنی موت تک وِٹ (Wight) کے جزیرے میں کارس بروک (Carisbrooke) کا پادری رہا۔ اس نے بدقسمت بادشاہ چارلس اول (Charles I) کے نجی گرجے میں بھی پادری کے طور پر خدمات انجام دیں، جسے 1649ء کی خانہ جنگی میں ری پبلیکن پارٹی کے حامیوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ آرچ بشپ لاؤڈ ___ (Laud) جسے کٹر لوگوں کی پارلیمان نے 1645ء میں سزائے موت دے دی تھی___ اس کے تعلق دار کی حیثیت سے، ہو سکتا ہے راس کچھ خوف کا شکار رہا ہو لیکن لگتا ہے کہ نئی حکومت نے اسے ستم گری کا نشانہ نہیں بنایا۔[51] 1641ء میں اس نے کہا کہ میں نے چھتیس سال تک مذہب کا مطالعہ کیا۔[52] وہ 1654ء میں برمشل (Bramshill) کے مقام پر دنیا سے رخصت ہوا۔ جہاں وہ سر اینڈریو ھینلی (Sir Andrew Henley) کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ اس کے ہمسائے میں واقع ایورسلی

چرچ (Eversley Church) میں دو الواح ــــــ ایک قربان گاہ سے متصل دیوار پر اور ایک تربت کے اوپر فرش پر ــــــ اس کی یاد میں نصب ہیں۔[53]

راس کے سب سے اہم کارناموں میں سے ایک، جو اسی سال شائع ہوا جب بادشاہ کا سر تن سے جدا کیا گیا، وہ اس کے قلم سے نکلنے والا انگریزی زبان میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ تھا جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا القرآن 'L'' "Alcoran de Mahomet" تھا۔ اگرچہ اسے عربی زبان سے بالکل واقفیت نہیں تھی اور اس نے صرف ناقص انداز میں دوغیے کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن کو انگریزی میں ڈھالا۔ اس نے انگریزی زبان میں پہلا ترجمۂ قرآن کیا اور اس کا اثر کچھ جدید تراجم میں ابھی بھی نظر آتا ہے۔

دوغیے کی طرح الیگزینڈر راس نے بھی اپنا ارادہ واضح طور پر سرورق میں بتا دیا۔ دونوں کا ماننا تھا کہ محمد ﷺ قرآن کریم کے مصنف اور ترکوں کے پیغمبر تھے۔ چونکہ اس وقت زیادہ تر مسلمان عثمانی سلطنت کے تحت رہتے تھے۔ اس لیے غلطی سے یہ سوچا گیا کہ محمد ﷺ صرف ترکوں کے پیغمبر تھے۔ حالانکہ مسلمان اپنی سلطنتوں میں ہندوستان اور ایران میں بھی قیام پذیر تھے۔ برطانیہ میں قرآن کریم کے ترجمے کا آغاز علمی ارادے سے نہیں بلکہ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے تھا۔

کیونکہ فرانسیسی ترجمۂ قرآن کو بادشاہ لوئس چہار دہم کی سرپرستی حاصل تھی، شاید اسی لیے راس (جسے انگریز شہنشاہ چارلس اول (Charles I) کی سرپرستی حاصل تھی اور اسی شہنشاہ کی مہربانی سے اسے جزیرۂ وِٹ (Wight) میں کارس بروک (Carisbrooke) کے گرجے میں پادری کا عہدہ ملا) نے سوچا ہو کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنے سے شاید اسے بھی شاہی سرپرستی حاصل ہو جائے۔ جب راس نے اپنا ترجمۂ قرآن مکمل کیا تو بادشاہ مر چکا تھا۔ (۳۰ جنوری 1649ء کو اس کا سر قلم کر دیا گیا) اور انگلستان ایک جمہوریہ بن گیا۔ کرنل اینتھونی ویلڈن (Colonel Anthony Weldon) نے ریاستی مجلس کے سامنے درخواست پیش کی کہ "ترکوں کے القرآن" کی اشاعت پر پابندی لگائی جائے۔ راس نے قرآن کریم کا انگریزی میں جو ترجمہ کیا اسے مارچ 1649ء میں پریس بھیج دیا۔ لیکن ناشر کو گرفتار کر لیا گیا اور ترجمۂ قرآن کریم کے تمام نسخے ضبط ہو گئے۔ آخرِکار اس کے ترجمۂ قرآن کریم کی پہلی اشاعت 7 مئی 1949ء کو سامنے آئی۔[54]

الیگزینڈر راس کا انگریزی ترجمۂ قرآن مغرب میں مقبول ہو گیا۔ انگلستان سے اس کی دوسری اشاعت 1688ء میں سامنے آئی۔ اس کا متن پہلی اشاعت والا ہی تھا لیکن تعارفی مواد کو نئی ترتیب دی گئی تھی۔ پیغمبر اسلام کی سیرت والا مضمون اور قاری کے لیے تنبیہ (Caveat) جو پہلی اشاعت میں کتاب کے آخر میں لگائے گئے تھے اب انہیں

ابتداء میں رکھا گیا۔ کتاب کے آخر میں دی گئی تحریر کو تعارف بنا کر اس کی اہمیت کو بڑھا دیا گیا جس سے قاری کو وہ درست تناظر مہیا ہوا کہ اسلام کو کیسے جانا جائے۔

راس کے قلم سے چار جلدوں میں ''القرآن مع تفسیر'' *(Alocran with Commentary) 1719*ء میں سامنے آیا۔ اس کے جامع ہونے کی طرف اس کی ذیلی سرخی میں یوں اشارہ کیا گیا ہے:

"A complete History of the Turks, from their origin in the year 755, to the year 1718... To which are added, 1- Their Maxims of State and Religion, II-A Dictionary explaining the names and nature of their religious sects, civil and military offices, III-The life of their Prophet Mahomet, IV-The Alcoran, translated from the Arabic by the Sieur Du Ryer, and now English'd. 4 Vols, London, 1719."[55]

''ترکوں کی مکمل تاریخ، 755ء میں ان کے آغاز سے 1718ء تک۔۔۔ ان میں مزید شامل کئے گئے، I۔ان کے ریاستی اور مذہبی اصول، II۔ ایک ایسی لغت جو ان کے مذہبی مسالک اور ان کے ناموں کی وضاحت کرتی ہے، شہری اور فوجی عہدے، III۔ان کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی، IV۔ القرآن، محترم دوغیے کا کیا ہوا عربی سے [فرانسیسی] ترجمہ، اور اب انگریزی میں۔ چار جلدیں، لندن، 1719ء۔''

نصف صدی کے بعد اور بحرِ اوقیانوس کے اس پار راس کا ترجمۂ قرآن کریم 1806ء میں ایک مرتبہ پھر شائع ہوا۔ قرآن کریم کی ''پہلی امریکی اشاعت'' (جیسا کہ سرورق پر اشتہار میں لکھا گیا) دو دستیاب انگریزی تراجم قرآن میں سے یہ زیادہ خراب تھا۔ اس ترجمۂ قرآن کا متن یسعیاہ تھامس جونئر *(Isiah Thomas Jr. – 1819-1773)* نے شائع کیا۔ جو بوسٹن اور نئے انگلستان کے دوسرے شہروں میں کتب فروشی کے ساتھ جنتریاں شائع کرتا تھا۔ تھامس نے زیریں حواشی کا اضافہ کیا۔ بعض مقامات پر اس نے راس کے جانبی حواشی کو زیریں حواشی بنا دیا اور کچھ مقامات پر اس نے انہیں سرے سے ہی ختم کر دیا۔ اس نے راس کا تمام تعارفی اور آخر پر دیا جانے والا مواد بھی ختم کر دیا۔ اس میں ''قارئین کے لیے *(To the Readers)* ''کے زیرِ عنوان ایک مختصر خطاب ہے، جس میں کچھ درست معلومات شامل ہیں جن کا راس نے ذکر نہیں کیا تھا۔ لیکن اس مقدمے کا لب و لہجہ منفی ہے اور اس میں راس کے مخالفانہ رویے کے نقوش موجود ہیں۔[56]

''اپنے عیسائی قاری کے لیے مترجم کا بیان'' *(The Translator to the Christian Reader)* کے زیر عنوان اپنے پیش لفظ میں راس نے اپنے مقاصد کی وضاحت یوں کی ہے:

"Viewing thine enemies in their full body, thou mayst the better prepare to encounter."

''اپنے دشمنوں کو پوری طرح دیکھتے ہوئے آپ زیادہ اچھے طریقے سے مقابلے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔''

اس کا مقصد مسلمانوں کی محترم کتاب کا مکمل علم حاصل کرنے کے بعد انہیں شکست دینا تھا۔[57] قرآن کریم کے خلاف اس کے تعصب کو درج ذیل بیان سے دیکھا جاسکتا ہے:

"Thou shalt finde it of so rude, and incongruous a composure so farced with contradictions, blasphemies, obscene speeches, and ridiculous fables, that some modest, and more rational Mahometans have thus excused it; that their Prophet wrote an hundred and twenty thousand saysings, whereof three thousand only are good, the residue are false and ridiculous."[58]

"آپ اسے نفاست سے بہت زیادہ عاری پائیں گے، اور بہت زیادہ مضحکہ خیز فرضی واقعات پر مبنی ایک بے جوڑ تحریر جس میں تضادات، مذہبی بے حرمتیاں، ناگوار تقاریر اور مضحکہ خیز خیالی کہانیاں ہیں، کہ کچھ شائستہ اور زیادہ عقلیت پسند مسلمانوں نے اس بات پر معذرت کی ہے کہ ان کے پیغمبر نے ایک سو بیس ہزار اقوال لکھے جن میں سے صرف تین ہزار اچھے ہیں، باقی ماندہ [نعوذ باللہ] جھوٹے اور مضحکہ خیز ہیں۔"

اس نے قرآن کریم کے خلاف بہت زیادہ توہین آمیز زبان استعمال کی اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ ترجمہ قرآن کریم کے ساتھ درج ذیل مضامین ملحق ہیں:

1) عیسائی قارئین کے لیے مترجم کا بیان
2) قارئین کے لیے فرانسیسی مراسلہ
3) ترکوں کے مذہب کا ایک خلاصہ
4) ترکوں کے پیغمبر، اور القرآن کے مصنف محمد [ﷺ] کی زندگی اور وفات
5) ان لوگوں کے لیے ایک لازمی تنبیہ یا ملامت جو جاننا چاہتے ہیں کہ اس قرآن کا کیا استعمال ہو سکتا ہے۔ یا اگر القرآن کے مطالعے میں کوئی خطرہ ہو۔ منجانب الیگزینڈر راس۔

راس کے ترجمۂ قرآن کریم میں قرآنی سورتوں کے ناموں کے ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے ناموں کو دوغیے سمجھنے سے قاصر رہا، نتیجتاً راس بھی انہیں نہ سمجھ سکا۔ نیچے دی گئی جدول میں راس اور پکتھال کے تراجم قرآن میں سے سورتوں کے ناموں کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔

نمبر	سورت کا نام	English Title by Ross	راس۔Ross	English Title by Pickthall	پکتھال
۳	آل عمران	TheLineage of Joachim	جواشم کی نسل	The Family of Imran	عمران کا خاندان
۶	الانعام	Gratifications	خوشیاں	Cattle	چوپائے
۷	الاعراف	Prisons	قید خانے	The Heights	بلندیاں

نمبر	سورت کا نام	English Title by Ross	راس-Ross	English Title by Pickthall	پکتھال
۸	الانفال	The Spoil	مال غنیمت	Spoils of War	جنگ سے حاصل ہونے والی غنیمت
۹	التوبۃ	Conversion	رجوع (الی اللہ)	Repentance	(گناہ سے) پچھتاوا
۵	الحجر	Hegir	حجر	Al-Hijr	الحجر
۰	طٰہٰ	Beautitude and Hell	بشارتیں اور دوزخ	Ta-Ha	طٰہٰ
۲۵	الفرقان	The Alcoran	القرآن	The Criterion	معیار
۲۷	النمل	The Pismire	چیونٹی	The Ant	چیونٹی
۲۸	القصص	History	تاریخ	The Story	کہانی
۳۰	الروم	The Grecians	قدیم یونانی	The Roman	رومی
۳۲	السجدہ	Worship	عبادت	The Prostration	سجدہ
۳۳	الاحزاب	Banks, & Troops of Soldiers	فوجیوں کے دستے اور لشکر	The Clans	قبیلے
۳۶	یٰسٓ	Intituled	تسمیہ کی	Ya-Sin	یٰسٓ
۳۷	الصافات	Orders	درجے	Those Who Set the Ranks	وہ جنہوں نے درجے بنائے
۳۸	صٓ	Truth	سچائی	Sad	صٓ
۴۱	فصلت	Exposition	شرح	They are Explained	انہیں وضاحت کی گئ
۴۵	الجاثیہ	Genuflexion	تعظیم دینا	Crouching	پنجوں کے بل بیٹھنا
۴۶	الاحقاف	Hecaf	حِقاف	The Wind-Curved Sandhills	آندھی کی زد میں ریت کے ٹیلے
۴۷	محمد	The Combat	مبارزت	Muhammad	محمد
۴۹	الحجرات	Inclosures	حدبندیاں	The Private Apartments	ذاتی مکانات
۵۰	ق	The Things judged	وہ چیز جس کا جائزہ لے لیا گیا	Qaf	ق
۵۱	الذاریات	The Things dispersed	چیزیں جو منتشر ہو گئیں	The Winnowing Winds	چلنے والی ہوائیں
۶۰	الممتحنۃ	Tryal Examined	مقدمہ جانچا گیا	She Who is to be Examined	وہ خاتون جس کو جانچا گیا
۶۱	الصّف	Array	صف آرائی	The Ranks	درجے

پکتھال	English Title by Pickthall	راس-Ross	English Title by Ross	سورت کا نام	نمبر
عبادت کے لیے جمع ہونے والے لوگ	The Congregation	اجتماع	The Assembly	الجمعہ	۶۲
منافقین	The Hypocrites	خبیث	The Wicked	المنافقون	۶۳
ایک دوسرے کو فریب نظر سے نکالنا	Mutual Disillusion	اخفائے حقیقت	Deciet	التغابن	۶۴
اقتدار اعلیٰ	The Sovereignty	سلطنت	Empire	الملک	۶۷
حقیقت	The Reality	تصدیق	Verification	الحاقہ	۶۹
جن	The Jinn	شیاطین	Devels	الجن	۷۲
لپٹا ہوا	The Enshrouded	خوف زدہ	The Fearful	المزمل	۷۳
خصوصی مقصد کے لیے روانہ کئے جانے والے عہدے دار	The Emissaries	انہیں جنہیں بھیجا گیا	Them that are sent	المرسلات	۷۷
اس نے تیوری چڑھائی	He Frowned	نابینا	The Blind	عبس	۸۰
مغلوب کرنا	The Overthrowing	گولائی	Roundness	التکویر	۸۱
پھاڑ دینا	The Cleaving	جنت کا دروازہ	Openning of Heavens	الانفطار	۸۲
ستاروں کی منازل	The Mansions of the Stars	آسمانی نشانی	The Sign Celestial	البروج	۸۵
مغلوب کرنے والا	The Overwhelming	ڈھانپنے والی	The Covering	الغاشیہ	۸۸
واضح ثبوت	The Clear Proof	ہدایت	Instruction	البینہ	۹۸
راستے	The Courses	گھوڑے	Horses	العادیات	۱۰۰
آفت	The Calamity	آزار	Affliction	القارعۃ	۱۰۱
ڈھلتا ہوا دن	The Declining Day	شام (کا وقت)	The Evening	العصر	۱۰۳
بد گو	The Traducer	ستم رانی	Persecution	الھمزۃ	۱۰۴
چھوٹی مہربانی	Small Kindness	قانون	The Law	الماعون	۱۰۷
کامیابی	Triumph	حفاظت	Protection	النصر	۱۰۰
خلوص	The Sincerity	نجات	Salvation	الاخلاص	۱۱۲
پو پھٹنا	The Daybreak	علیحدگی	Separation	الفلق	۱۱۳
عالم انسانیت	Mankind	لوگ	The People	الناس	۱۱۴

دوغیے اور راس نے قرآن کریم کی کچھ سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف مقطعات کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ ترجمہ نہیں ہے کیونکہ یہ خفیہ حروف ہیں جن کا کسی بھی زبان میں ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ ان حروف کے جو معانی ان مترجمین نے بتائے ہیں وہ صرف اٹکل پچو ہیں۔ مسلمان اور بعد کے مستشرقین نے حروف

مقطعات کو بلاترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ درج ذیل جدول میں کوشش کی گئی ہے کہ راس نے جس طرح تمام حروف مقطعات کے معانی بتائے ہیں انہیں جمع کر دیا جائے۔

نمبر شمار	حروف مقطعات	سورۃ کا نمبر	Rendering by du Ryer and Ross	اردو ترجمہ
۱	الم	۲، ۳، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲	*I am the most wise God*[59]	میں سب سے زیادہ سے زیادہ عقل مند معبود ہوں۔
۲	المص	۷	*I am God, the most wise, the most true*[60]	میں خدا ہوں، سب سے زیادہ عقل مند، سب سے زیادہ سچا۔
۳	الر	۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۵	*I am the merciful God*[61]	میں مہربان خدا ہوں۔
۴	المر	۱۳	*I am the most wise and merciful*[62]	میں سب سے زیادہ عقل مند اور رحم کرنے والا ہوں۔
۵	کھیعص	۱۹	*God is the rewarder, conductor of (The Righteous), liberal, wise, true*[63]	خدا بدلہ دینے والا ہے، (نیکوں کی) رہنمائی کرنے والا، فیاض، عقل مند، سچا
۶	طٰہٰ	۲۰	*Beatitude and Hell*[64]	بشارتیں اور دوزخ
۷	طسم	۲۶، ۲۸	*God is most pure, he understandeth all things, he is the most wise*[65]	خدا سب سے پاک ہے، وہ تمام باتوں کو سمجھتا ہے، وہ سب سے زیادہ عقل مند ہے۔
۸	طس	۲۷	*God is most pure, he understandeth all*[66]	خدا سب سے زیادہ پاکیزہ ہے، وہ ہر بات کو سمجھتا ہے۔
۹	یٰسٓ	۳۶	*Oh man!*[67]	اے انسان!
۱۰	ص	۳۸	*Truth*[68]	سچائی
۱۱	حم	۴۰، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶	*God is prudent and wise*[69]	خدا دور اندیش اور عقل مند ہے
۱۲	حمعسق	۴۲	*God is prudent, wise, majestick. He understandeth all*	خدا دور اندیش ہے، عقل مند ہے، شان والا ہے، وہ ہر بات کو سمجھتا ہے اور قادر

نمبر شمار	حروف مقطعات	سورۃ کا نمبر	Rendering by du Ryer and Ross	اردو ترجمہ
			things and is omnipotent and wise[70]	مطلق اور عقل مند ہے۔
۱۳	ق	۵۰	*The thing judged*[71]	وہ چیز جس کا جائزہ لے لیا گیا
۱۴	ن	۶۸	*Whale or great Fish*[72]	وہیل، یا ایک بڑی مچھلی

نیچے الیگزینڈر راس کے انگریزی ترجمہ قرآن کریم سے کچھ اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے تسمیہ اور سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"In the Name of God, gracious and merciful; Praised be God, gracious and merciful: King of the Day of Judgement. It is thee whom we adore; it is from thee we require help. Guide us in the right way, in the way of them that thou hast gratified; against whom thou hast not been displeased, and we shall not be mis-led."[73]

"خدا کے نام سے، مہربان اور رحم کرنے والا؛ خدا کی تعریف ہو، مہربان اور رحم فرمانے والا: انصاف کے دن کا بادشاہ، یہ صرف تم ہی ہو جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ تم ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ چلا، ان کے راہ جن کو تم نے مسرور کیا۔ ان کے خلاف جن سے تو ناخوش نہیں ہوا۔ اور ہم گمراہ نہیں ہوں گے۔"

تسمیہ اور سورۃ الفاتحہ کے ترجمہ میں راس نے پوری طرح دوغیے کی پیروی کی۔ یہ ترجمہ کلی طور پر غلط نہیں ہے لیکن اس کے اندر (کچھ) اغلاط ہیں۔ مثال کے طور پر الرحمٰن اور الرحیم کا ترجمہ "مہربان *(Gracious)*" اور "رحم فرمانے والا *(Merciful)*" کیا گیا ہے۔ ان دونوں خدائی صفات کا آغاز "ال" سے ہوتا ہے جس کا اس ترجمے میں لحاظ نہیں رکھا گیا۔ دونوں صفات کے ترجمے میں "بہت زیادہ *(Most)*" یا "ہمیشہ *(Ever)*" آنا چاہیے۔ سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت کا ترجمہ *"Praised be God"* (خدا کی تعریف ہو) غلط ہے۔ رب العالمین کا ترجمہ غلطی سے "خدا *(God)*" کر دیا گیا۔ "الحمد" کا ترجمہ بھی نامکمل ہے۔

حضرت محمد ﷺ پر پہلی وحی میں سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات غارِ حرا میں نازل ہوئیں۔

راس نے ان آیات کا انگریزی میں یوں ترجمہ کیا:

"Read the Alcoran, and begin through the name of God, who created all, who made man of a little congealed blood. Read the Alcoran and

exalt the glory of thy Lord, who hath instructed man in the scriptures, who taught him what he knew not."[74]

''القرآن کو پڑھو، اور آغاز کرو خدا کے نام کے ذریعے، جس نے تمام کو تخلیق کیا۔ جس نے انسان کو خون کے چھوٹے لوتھڑے سے بنایا۔ القرآن کو پڑھو اور اپنے خدا کی عظمت بیان کرو، جس نے انسان کو صحیفوں میں ہدایت دی، جس نے اسے وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

سورۃ العلق کی پہلی اور تیسری آیت میں دو مرتبہ لفظ ''اقراء'' کا ترجمہ ''القرآن کو پڑھو'' کیا گیا۔ چوتھی آیت کا ترجمہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں ''بالقلم'' کے لفظ کو بلا ترجمہ چھوڑ دیا گیا۔ یہ دراصل دوغیے کی اندھی تقلید کا شاخسانہ ہے۔

راس نے سورۃ الاخلاص کا ترجمہ بھی دوغیے کے تتبع میں یوں کیا:

"Say unto unbelievers, God is eternal, he neither begetteth, nor is begotten, and hath no companion."[75]

''کافروں سے کہہ دو، خدا ازلی و ابدی ہے، وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، اور اس کا کوئی ساتھی نہیں۔''

سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت کا ترجمہ ہی غلط ہے۔ یہ تو سورۃ الکافرون کی پہلی آیت قُلۡ یَا أَیُّهَا الۡكَافِرُونَ (الکافرون ۱۰۹: ۱) کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔ سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت تو اسلامی عقائد کے سب سے پہلے اور اہم عقیدۂ توحید کو بیان کرتی ہے۔ اس کا ترجمہ بایں الفاظ ہونا چاہیے:

"Say: He is God, the One"

''کہو: وہ اللہ ایک ہے''

دوغیے اور راس دونوں چونکہ تثلیث کے پیروکار تھے اس لیے وہ اس آیت کا درست ترجمہ نہ کر سکے۔ چوتھی آیت کے ترجمے میں *Companion* (ساتھی) کی جگہ *Comparable* (مقابل) یا *Equal* (ہم سر) آنا چاہیے۔

قرآن کریم کی آخری سورۃ ''الناس'' کو دوغیے اور اُس کی تقلید میں راس دونوں نہیں سمجھ سکے۔ راس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"Say unto them, I will beware of the temptations of the Devil and malice of the people, through the assistance of the Lord, and King of the People."[76]

''ان سے کہہ دو، میں شیطان کے بہکاوے اور لوگوں کے کینہ سے آگاہ رہوں گا، مالک کی مدد سے اور لوگوں کے بادشاہ کی مدد سے۔''

اسے کسی صورت بھی سورۃ الناس کا درست ترجمہ قرار نہیں جاسکتا۔ چھے کی چھے آیات کا ترجمہ مکمل نہیں ہے۔ ہر آیت کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا اور کچھ الفاظ کی ترتیب کو بدل دیا گیا۔ سورت کے ترجمے کے طور پر جو کچھ لکھا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوغیے اور اس کا اندھا مقلد راس دونوں سورۃ الناس کے متن کو سمجھنے میں ناکام رہے۔ موازنے کے لیے پکتھال کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"Say: I seek refuge in the Lord of mankind, the King of mankind, the God of mankind, from the evil of the sneaking whisperer, who whispers in the hearts of mankind, of the Jinn and of mankind."[77]

''کہہ دیجئے: میں انسانیت کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، عالمِ انسانیت کے بادشاہ کی پناہ مانگتا ہوں، انسانیت کے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ چپکے سے وسوسہ ڈالنے والے کی برائی سے جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ وہ جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔''

پکتھال اور راس کے ترجمے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دوغیے اور اس کے تتبع میں راس نے قرآن کریم کی آخری سورت کا ترجمہ درست نہیں کیا۔

دوغیے اور راس نے ترجمۂ قرآن کریم میں کچھ الفاظ کا بلاوجہ اضافہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الفیل کی پہلی آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"Considerest thou not how thy Lord entreated them that came mounted upon Elephants, to ruin the Temple of Mecca."[78]

''کیا تم دیکھتے نہیں تمہارے رب نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جو ہاتھیوں پر بیٹھ کر آئے تاکہ مکہ کے معبد کو نیست و نابود کردیں۔''

آخری فقرہ ''تاکہ مکہ کے معبد کو نیست و نابود کردیں'' آیت کے کسی حصے کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک الحاقی جملہ ہے۔ دوغیے اور راس نے کچھ سورتوں کے آغاز میں مختصر حواشی لکھے ہیں۔ جن میں عام طور پر تاریخی پس منظر بتایا گیا ہے یا سورۃ میں مذکور کسی اہم واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کچھ تعارفی حواشی میں اس نے سورتوں کے نام رکھنے کی وجہ پر گفتگو کی ہے۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ کے شروع کا حاشیہ یوں ہے:

"Readers, this Chapter beginneth not as the rest, with these words, In the name of God, gracious and merciful; because these are words of Peace and Salvation, and for that in this Chapter, Mahomet commandeth to break Truce with his Enemies, and to assault them. Many Mahometan Doctors have entituled this Chapter of

Punishment, or Pain. See the Exposition of Gelaldin, and that of Bedaoi, and Kitab el- Tenoir."[79]

"قارئین، باقی سورتوں کی طرح اس سورت کا آغاز، 'خدا کے نام سے، مہربان اور رحم کرنے والا' کے الفاظ سے نہیں ہوتا، کیونکہ یہ امن اور نجات کے الفاظ ہیں۔ اسی وجہ سے اس سورۃ میں محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] نے اپنے دشمنوں کے ساتھ معاہدۂ امن توڑنے اور حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بہت سارے مسلم علماء نے اس سورت کا عنوان سزا یا تکلیف کی سورت رکھا ہے۔ دیکھیے تفسیر جلال دین اور بیضاوی، اور کتاب التنویر۔"

نبی کریم ﷺ کے سفرِ معراج کے حوالے سے دو غیے کے لکھے ہوئے سورۃ الاسراء کے تعارفی حاشیے کا ترجمہ الیگزینڈر راس نے یوں کیا ہے:

"Readers, The Turks believe that this Night of the Voyage Mahomet ascended into Heaven with the Angel Gabriel: He was mounted on a white Burac, which is a beast partly Mule, partly Ass, and partly Horse, He saw all the prophets that preceded him, all the wonders of Paradise, and saw God, who sate on his Throne. See Kitab el-tenoir, Tefsir al Giauhoir and the Exposition of Gelaldin. The Bedaoi intituled this chapter, The Chapter of the Children of Israel."[80]

(قارئین! ترک اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ سفر کی اس رات محمد [صلی اللہ علیہ وسلم]، فرشتہ جبرئیل کے ساتھ آسمانوں پر گئے: آپ ایک سفید براق پر سوار تھے۔ جو خچر، گدھے اور گھوڑے کی ملی جلی خصوصیات کا حامل تھا۔ آپ نے پچھلے تمام انبیاء سے ملاقات کی، جنت کے عجوبے دیکھے اور خدا سے ملاقات کی جو اپنے عرش پر متمکن تھا۔ دیکھیے کتاب التنویر، تفسیر الجواہر، اور تفسیر جلال دین۔ بیضاوی نے اس سورت کو بنی اسرائیل کا نام دیا۔)

راس کے ترجمۂ قرآن کریم میں عام طور پر جانبی حواشی میں درج ذیل مصادر کا حوالہ دیا گیا ہے:

1. تفسیر جلال دین:[81] اس سے مراد تفسیر جلالین ہے۔ یہ دو عظیم مسلمان مفسرین کی محنت ہے یعنی جلال الدین محلّی (1389-1459ء) اور جلال الدین سیوطی (1445-1505ء)۔
2. کتاب التنویر: یہ شاید بیضاوی کی تفسیر "تنویر البصیر بانوار التنزیل"[82] کی شرح ہے، جسے الکلاباذی نے لکھا۔
3. بیضاوی:[83] عبداللہ ابن عمر البیضاوی (م1286ء) کی لکھی مشہور عربی تفسیر قرآن کریم ہے۔ اس تفسیر کا مکمل نام "اسرار التنزیل واسرار التاویل" ہے۔ یعنی "نزول وحی اور تفسیر قرآن کے راز۔"
4. تفسیر الجواہر:[84] (ترکی زبان میں تفسیر قرآن ہے)

5. بخاری:[85] :(Bokari) حدیث نبی ﷺ کی مشہور کتاب "الجامع الصحیح" جسے امام محمد بن اسماعیل البخاری (810-870ء) نے ترتیب دیا۔

محولہ بالا کتب وہ مصادر ہیں جن سے دوغیے نے استفادہ کیا۔ راس نے کسی حاشیے کا اضافہ نہیں کیا۔ بس اس نے دوغیے کے فرانسیسی کام کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا۔ احمد گنے کے مطابق دوغیے کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مغرب میں سب سے پہلے قرآن کریم کی مشہور تفاسیر جیسے کہ البیضاوی، اور جلالین سے استفادہ کیا (اور مغرب کو ان سے متعارف کرایا) ورنہ مغرب کے عوام ان تفاسیر کے ناموں سے نابلد رہتے۔[86]

دوغیے کی پیروی کرتے ہوئے راس نے جانبی حاشیے پر مختصر حواشی قلم بند کیے۔ کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

ا۔ عُرف (7 :48-46) کی جمع الاعراف کی وضاحت یوں کی گئ:

"مسلم علماء کا عقیدہ ہے کہ جس کی برائیاں اور اچھائیاں برابر ہوں گی، اس کا میزان کسی طرف نہیں جھکے گا۔ نہ اچھائی کی جانب اور نہ برائی کی جانب ایسا شخص مقام اعراف میں ہوگا اور جنہوں نے اچھائی اور برائی میں سے کچھ نہ کیا ہوگا تو [وہ] ایسے مقام پر رہیں گے جو جنت اور جہنم کے درمیان ہوگا۔"[87]

۲۔ عربی کے لفظ "بعوضۃ" (البقرۃ ۲: ۲۶) کا ترجمہ عام طور پر "gnat" (مچھر) کیا جاتا ہے۔ راس نے اس کا ترجمہ 'Puny کھٹل' کے لفظ سے کیا ہے اور زیریں حاشیے میں اس کی وضاحت یوں کی ہے:

"یہ ایک کاٹنے والا کیڑا ہے۔ گرم ممالک میں یہ اکثر چارپائیوں میں نشوونما پاتا ہے۔"[88]

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے حوالے سے وہ لکھتا ہے:

"عرب لوگ کہتے ہیں، آزر ابراہیم علیہ السلام کا خاندانی نام تھا اور آپ کے والد کا نام تارخ آزر تھا۔"[89]

۴۔ راس کے حواشی اس کی محدود معلومات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ "مسلمانوں کا عقیدہ" لکھنے کے بجائے اس نے "ترکوں کا عقیدہ" لکھا۔[90]

راس کے متعلق مختلف مترجمین اور اسکالرز نے اظہارِ خیال کیا ہے:

عبداللہ سعید کے مطابق: "راس کے ترجمۂ قرآن کو بے ڈھنگا اور اس کی نامعقول اسلام دشمنی اور ایک مستشرق کی سوچ کا مظہر کہا گیا ہے۔"[91]

اے۔ ایم۔ زویمر کہتا ہے:

"انگریزی زبان میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ دوغیے (1648-1688ء) کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن سے الیگزینڈر راس کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ ہے۔ راس عربی زبان سے بالکل واقف نہیں تھا اور نہ ہی فرانسیسی کا اچھا عالم تھا۔ اس لیے اس کا ترجمۂ قرآن بہت زیادہ غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔"[92]

حسن مصطفیٰ کے مطابق:

''ایبٹ آف کلگنی (Abbot of Clugny) کی سرپرستی میں ہونے والے لاطینی ترجمۂ قرآن کی طرح الیگزینڈر راس کے انگریزی ترجمۂ قرآن کے بھی مشکوک مقاصد تھے۔''[93]

آر بیری نے راس کے ترجمۂ قرآن پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

''جتنا یہ ترجمۂ قرآن اپنے اظہار میں مخالفانہ اور کٹر مذہبی ہے اتنی ہی اس (کے مترجم) کی نیت بھی خراب تھی۔''[94]

ہینری سٹیوبے (Henry Stubbe) نے راس کے ترجمۂ قرآن کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

''ہماری انگریزی (دوغیے کی) فرانسیسی کی پیروی کرتی ہے اور (دوغیے کی) فرانسیسی بہت بگڑی ہوئی ہے، ایک بڑی تعداد میں الفاظ ترجمہ ہونے سے رہ گئے ہیں اور بہت سے الفاظ کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔''[95]

سامِر خلاف (Samir Khalaf) نے الیگزینڈر راس بارے کہا: ''اس کا لہجہ اور نیت واضح طور پر مخالفانہ ہے'' اور اس کے ترجمۂ قرآن بارے کہا کہ ''اس میں بہت شدید غلطیاں اور تحریفات موجود ہیں۔''[96]

ڈاکٹر محمد مہر علی کا کہنا ہے: دوغیے کی طرح راس کا مقصد بھی اپنے زعم کے مطابق ترکوں کے غرور سے پردہ اٹھانا ہے۔ یہ فقرہ ایک طرف اپنی ذات اور اپنے ہم عصر یورپی لوگوں کے ساتھ بے وفائی ہے اور دوسری طرف یورپ میں ترکوں کے سیاسی اثر و رسوخ کے سبب ان کے ساتھ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ اسی لیے یورپ کے عام لوگوں کو اسلام کے حوالے سے غلط فہمی ہی رہی۔[97]

پروفیسر ایم۔اے۔ایس۔ عبدالحلیم دلیل پیش کرتے ہیں، ''انگریزی میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ 1649ء میں الیگزینڈر راس نے کیا، جو ساؤتھیمپٹن میں گرامر سکول کا استاد تھا۔ تاہم راس عربی زبان سے واقف نہیں تھا اور اس نے اپنا ترجمۂ قرآن کریم آندرے دوغیے کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن سے کیا۔ یہ ترجمۂ قرآن کچھ مقامات پر قرآنی متن سے کافی مختلف ہو جاتا ہے۔ راس کے ترجمۂ قرآن کا عنوان اس کے رویے کا مظہر ہے۔[98]

حاصل کلام

یورپی زبانوں میں قرآن کریم کے تین اولین تراجم، لاطینی میں رابرٹ آف کیٹن، فرانسیسی میں دوغیے اور انگریزی میں راس نے کیے۔ ان تینوں تراجم کے بعد میں آنے والے مستشرقین پر اثرات ہیں۔ کافی عرصہ تک انہیں اسلام کے حوالے سے علم کے اولین مصادر سمجھا گیا کیونکہ یورپی زبانوں میں کوئی نعم البدل موجود نہیں تھا۔ مترجمین کا تعصب اور اغلاط ان تراجم قرآن کی پہچان تھیں۔ ان کی طرف سے فراہم کی جانے والی نادرست معلومات پر انحصار کی وجہ سے ان کے اخلاف نے مغربی قارئین کے ذہنوں میں [اسلام کے خلاف] نفرت کو شدید تر کر دیا۔

حوالہ جات

1- Sale, G.,*The Koran: introduction by E. Denison Ross* (London: Frederick Warne and Co. Ltd. n.d.) p.v

2. Watt, W. M., Bell's Introduction to the Qur'an (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1970) 173

3. Franco Cardini, Europe and Islam, tr. Caroline Beamish (Oxford: Blackwell Publishing, 2000) 168.

4. Kritze ck, J., Peter the Venerable and Islam (Princeton, New Jersey: Princeton University Press, 1964) 68-69.

5. Burnett, C.S.F.,A Group of Arabic-Latin Translators Working in Northern Spain in the Mid-12th Century, Journal of Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland, No.1 (1997) 63.

6. Kritzeck, J., Peter the Venerable and Islam, 68-69.

7. Kritzeck, J., Peter the *Venerable and Islam*, 98-99.

8. Kritzeck, J., Peter the Venerable and Islam, 18.

9. Sale, G., The Koran Commonly Called the Alcoran of Mohammed (London: Frederick Warne and Co., n.d.) 8.

10. Daniel, N., Islam and the West: The Making of an Image (Edinburgh: The University Press, 1960) 11.

11. Hadrian Reland, De religione Mohammedica libri duo, editio altera auctior 2.8 (Utrecht, 1717) 169.

12. Varisco, D.M., Reading Orientalism: Said and Unsaid (Seattle and London: University of London Press, 2007) 343.

13. Bobzin, H., Pre-1800 Occupations of Qur'anic Studies, in Encyclopaedia of the Qur'an (Leiden-Boston: Brill, 2004) Vol.4, 245.

14. *Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, Speculum, Vol. 73, No. 3 (Jul., 1998) 731.*

15. Clark, H., The Publication of the Koran in Latin: A Reformation Dilemma, The Sixteenth Century Journal, Vol. 15, No.1, Spring 1984, 7.

16. *Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, Speculum, Vol. 73, No. 3 (Jul., 1998) 726.*

17. Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, 714.

18. Kritzeck, J., Peter the Venerable and Islam, 100.

19. Ekmeleddin Ihsanogul (ed.), World Bibliography of Translations of the Meanings of the Holy Qur'an: Printed Translations 1515-1980 (Istanbul: Research Centre for Islamic History, Art and Culture, 1986) 29.

20. Ekmeleddin Ihsanogul (ed.), World Bibliography of Translations of the Meanings of the Holy Qur'an: Printed Translations 1515-1980267.
21. Pearson, J. D., Translation of the Koran in The Encyclopaedia of Islam (Leiden: E. J. Brill, 1986) vol. v, p.431; Idem, "Bibliography of Translations of the Qur'an into European Languages" in Arabic Literature to the End of the Umayyad Period edited by Beeston, A.F.L. et al. (Cambridge: Cambridge University Press, 1983) 506, 515.
22. Pearson, J. D., Translation of the Koran in The Encyclopaedia of Islam (Leiden: E. J. Brill, 1986) vol. v, p.431; "Bibliography of Translations of the Qur'an into European Languages" in Arabic Literature to the End of the Umayyad Period edited by Beeston, 506, 515.
23. Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, Speculum, Vol. 73, No. 3 (Jul., 1998) 704.
24. Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, pp.706-7; Also Burmen, Thomas E., Reading the Qur'an in Latin Christendom, 1140-1560, 17.
25. Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, (Philadelphia: University of Pennsylvania Press, 2007) 124.
26. Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, 18.
27. Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, 123.
28. Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, 122.
29. Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, Speculum, Vol.73. No.3 (July, 1998) 707.
30. Arberry, A. J., British Orientalists (Great Britain: William Collins of London) 16.
31. Arberry, A. J., British Orientalists, 16.
32. Hamilton. A., William Bedwell The Arabist (1563-1632) (Leiden: E.J. Brill, 1985) 124-125.
33. Ismet Binark and Halit Eren, World Bibliography of Translations of the Meanings of the Holy Qur'an (Istanbul: Research Centre for Islamic History, Art, and Culture, 1406/1986) 152
34. Ismet Binark and Halit Eren, World Bibliography of Translations of the Meanings of the Holy Qur'an, xxxvi
35. Murphy, M., "Abraham Wheloc's Edition of Bede's History in Old English," (Studia Neophilologica, 39, 1967) 47.
36. Murphy, M., "Abraham Wheloc's Edition of Bede's History in Old English," 46

37. Matar, N., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth- Century (France, Common Knowledge, 2006) Vol. 12, No.3, 520-21.
38. Matar, N., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth-Century, Vol. 12, No.3, 520-21.
39. Gunny, A., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth-Century France, Journal of Islamic Studies, Vol.16, No.3 (2005) 411.
40. Gunny, A., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth-Century France, Vol.16, No.3 (2005) 411.
41. Omar, Sheikh Ash-Shabab, The Evolution of Translation Culture: Translating the Holy Qur'an into French, Journal of King Saud University, Vol.15. Language and Translations (A.H. 1423/2003) 27.
42. Setton, Kenneth Meyer, Western Hostility to Islam and Prophecies of Islam: Memoirs of American Philosophical Society (Philadelphia: American Philosophical Society, 1992) 53.
43. Sale, G., The Koran Commonly Called the Alcoran of Mohammed (London: Frederick Warne and Co., n.d.) 8.
44 -For detail see: Shah, Muhammad Sultan, Dr., Muhammad Hameed Ullah Batoor Mutarjam wa Mufassar-i-Qur’ān, ‘Ulūm al-Qur’ān, vol.22, No. 1, (January-June 2007) 25-71.
45. The Encyclopaedia of Religions (New York: Macmillan Company, 1987) Vol. 12, 17540.
46 - Nadwi, Rizwan Ali, Dr. Muhammad Hameed Ullah, Mujallah Usmania , vol.2, No. 4, (April-June, 1997) p.3840/ Muhammad Hameed Ullah, Dr., Qur’ān Kareem Kay Franseesi Tarajum, Mahnama Muarif, Azam Garh, Vol. 84, No. 6, 462-466.
47. Muhammad Hamidullah, Le Saint Coran (Maryland, U.S.A.: Amazona Corporation, 1985/1405) 101.
48. Elie Salem, The Elizabethan Image of Islam, Studia Islamica, No. 22 (1965) 43-54.
49. Ross, Alexander The Alcoran of Mahomet (London: Printer Randal Taylor, 1688 (Title Page)
50. Ross, Alexander The Alcoran of Mahomet (London: Printer Randal Taylor, 1688 (W. B. Stevenson Collection, Accession No.RB 4075)
51. Ross, Alexander The Alcoran of Mahomet (London: Printer Randal Taylor, 1688 (http://www.viswiki.com/en/Alexander_Ross_%28writer%29)
52. Ross, Alexander The Alcoran of Mahomet (London: Printer Randal Taylor, 1688 (http://en.allexperts.conVe/a/al/alexander_ross_%28writer%29.htm)
53. Ross, Alexander The Alcoran of Mahomet (London: Printer Randal Taylor, 1688 (Ross, Alexander “(http://en.wikisource.org/wiki/Ross,_Alexander_%281590-1654%29 %28DNB00%29)
54. Matar, N, Alexander Ross and the First English Translation of the Qur'an, The Muslim World, Vol.88, No. 1 (Jan., 1998) 88.
55. Matar, N, Alexander Ross and the First English Translation of the Qur'an, 82.

56. Matar, N, Alexander Ross and the First English Translation of the Qur'an,.83.
57. Bradham, Jo Allen, An Ass Charged with Books: Pope's Dunciad and the Koran, South Atlantic Review, Vol.60, No.l (Jan., 1995) 4.
58. Matar, N., Alexander Ross and the First English Translation of the Qur'an, op cit., 91.
59. Ross, The Alcoran of Mahomet. 29, 49, 191, 194, 196, 198.
60. Ross, The Alcoran of Mahomet, 60.
61. Ross, The Alcoran of Mahomet, 112, 118, 124, 132, 134.
62. Ross, The Alcoran of Mahomet, 89.
63. Ross, The Alcoran of Mahomet, 129.
64. Ross, The Alcoran of Mahomet, 135.
65. Ross, The Alcoran of Mahomet, 182, 186.
66. Ross, The Alcoran of Mahomet, 178.
67. Ross, The Alcoran of Mahomet, 152.
68. Ross, The Alcoran of Mahomet, 182.
69. Ross, The Alcoran of Mahomet, 220, 230, 232, 234, 235, 238.
70. Ross, The Alcoran of Mahomet, 214.
71. Ross, The Alcoran of Mahomet, 204.
72. Ross, The Alcoran of Mahomet, 227.
73. Ross, The Alcoran of Mahomet, 11.
74. Ross, The Alcoran of Mahomet, 479.
75. Ross, The Alcoran of Mahomet, 510
76. Ross, The Alcoran of Mahomet, 511.
77. Pickthall, The Meaning of the Glorious Qur'ān (Islamabad: Islamic Research Institute, International Islamic University, 1988), 396.
78. Ross, The Alcoran of Mahomet, 500.
79. Ross, The Alcoran of Mahomet, 95.
80. Ross, The Alcoran of Mahomet, 285.
81. Ross, The Alcoran of Mahomet, 285.
82. Ross, The Alcoran of Mahomet, 285.
83. Ross, The Alcoran of Mahomet, 285.
84. Ross, The Alcoran of Mahomet, 285.
85. Matar, N., Alexander Ross and the First English Translation of the Qur'an. The Muslim World, Vol.88, No.l (Jan., 1998) 88.
86. Gunny, A., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth-Century France, Journal of Islamic Studies, Vol.16, No.3 (2005) 411.
87. Gunny, A., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth-Century France, Journal of Islamic Studies, 89.
88. Gunny, A., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth-Century France, Journal of Islamic Studies, 92.
89. Gunny, A., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth-Century France, Journal of Islamic Studies, 30.

90. Gunny, A., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth-Century France, Journal of Islamic Studies, 84.
91. Abdullah Saeed, The Qur'an: An Introduction (Routledge, 2008) 122.
92. Zwemer, S.M. Translations of the Koran, (Hartford Seminary: The Moslem World, July 1915) 250.
93. Hassan Mustapha, Routledge Encyclopedia of Translation Studies, (Gabriela Saldanha Psychology Press, 1998) 203.
94. Arberry, A.J., Oriental Essays: Portraits of Seven Scholars (London: George Allen and Unwin, 1960) 15.
95. Stubbe, H., An Account of Rise and Progress of Mahometanism with the Life of Mahomet, ed. Hafiz Mahmud Khan Shirani (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1954) 159.
96. Samir Khalaf, Protestant Images of Islam: disparaging stereotypes reconfirmed, Islam and Christian-Muslim Relations, Vol.8, No.2 (1997) 212.
97. Mohar Ali, Muhammad, The Qur'an and the Orientalists (Ispwich: Jam'iyat 'Ihyaa' Minhaaj al-Sunnah, 2004) 326.
98. Abdel Haleem, M.A.S., The Qur'an: A new translation (Oxford: Oxford University Press, 2004) 27.

Bibliography

1) Abdel Haleem, M.A.S., The Qur'an: A new translation (Oxford: Oxford University Press, 2004)
2) Abdullah Saeed, The Qur'an: An Introduction (Routledge, 2008)
3) Arberry, A. J., British Orientalists (Great Britain: William Collins of London)
4) Arberry, A.J., Oriental Essays: Portraits of Seven Scholars (London: George Allen and Unwin, 1960)
5) Bobzin, H., Pre-1800 Occupations of Qur'anic Studies, in Encyclopaedia of the Qur'an (Leiden-Boston: Brill, 2004) Vol.4
6) Bradham, Jo Allen, An Ass Charged with Books: Pope's Dunciad and the Koran, South Atlantic Review, Vol.60, No.l (Jan., 1995)
7) Burman, Thomas E., Tafsir and Translation: Traditional Arabic Qur'an Exegesis and the Latin Qur'ans of Robert of Ketton and Mark of Toledo, Speculum, Vol. 73, No. 3 (Jul., 1998)
8) Burnett, C.S.F.,A Group of Arabic-Latin Translators Working in Northern Spain in the Mid-12th Century, Journal of Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland, No.1 (1997)
9) Clark, H., The Publication of the Koran in Latin: A Reformation Dilemma, The Sixteenth Century Journal, Vol. 15, No.1, Spring 1984
10) Daniel, N., Islam and the West: The Making of an Image (Edinburgh: The University Press, 1960)

11) Ekmeleddin Ihsanogul (ed.), World Bibliography of Translations of the Meanings of the Holy Qur'an: Printed Translations 1515-1980 (Istanbul: Research Centre for Islamic History, Art and Culture, 1986)
12) Elie Salem, The Elizabethan Image of Islam, Studia Islamica, No. 22 (1965)
13) Franco Cardini, Europe and Islam, tr. Caroline Beamish (Oxford: Blackwell Publishing, 2000)
14) Gunny, A., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth-Century France, Journal of Islamic Studies, Vol.16, No.3 (2005)
15) Hadrian Reland, De religione Mohammedica libri duo, editio altera auctior 2.8 (Utrecht, 1717)
16) Hamilton. A., William Bedwell The Arabist (1563-1632) (Leiden: E.J. Brill, 1985)
17) Hassan Mustapha, Routledge Encyclopedia of Translation Studies, (Gabriela Saldanha Psychology Press, 1998)
18) Ismet Binark and Halit Eren, World Bibliography of Translations of the Meanings of the Holy Qur'an (Istanbul: Research Centre for Islamic History, Art, and Culture, 1406/1986)
19) Kritzeck, J., Peter the Venerable and Islam (Princeton, New Jersey: Princeton University Press, 1964)
20) Matar, N, Alexander Ross and the First English Translation of the Qur'an, The Muslim World, Vol.88, No. 1 (Jan., 1998)
21) Matar, N., Book Review: Andre du Ryer and Oriental Studies In Seventeenth- Century (France, Common Knowledge, 2006) Vol. 12, No.3
22) Mohar Ali, Muhammad, The Qur'an and the Orientalists (Ispwich: Jam'iyat 'Ihyaa' Minhaaj al-Sunnah, 2004)
23) Muhammad Hamidullah, Le Saint Coran (Maryland, U.S.A.: Amazona Corporation, 1985/1405)
24) Murphy, M., "Abraham Wheloc's Edition of Bede's History in Old English," (Studia Neophilologica, 39, 1967)
25) Nadwi, Rizwan Ali, Dr. Muhammad Hameed Ullah, Mujallah Usmania , vol.2, No. 4, (April-June, 1997) p.3840/ Muhammad Hameed Ullah, Dr., Qur'ān Kareem Kay Franseesi Tarajum, Mahnama Muarif, Azam Garh, Vol. 84, No. 6
26) Omar, Sheikh Ash-Shabab, The Evolution of Translation Culture: Translating the Holy Qur'an into French, Journal of King Saud University, Vol.15. Language and Translations (A.H. 1423/2003)
27) Pearson, J. D., Translation of the Koran in The Encyclopaedia of Islam (Leiden: E. J. Brill, 1986) vol. v, p.431; "Bibliography of Translations of the Qur'an into European Languages" in Arabic Literature to the End of the Umayyad Period edited by Beeston
28) Pickthall, The Meaning of the Glorious Qur'ān (Islamabad: Islamic Research Institute, International Islamic University, 1988)
29) Ross, Alexander The Alcoran of Mahomet (London: Printer Randal Taylor, 1688
30) Sale, G., The Koran Commonly Called the Alcoran of Mohammed (London: Frederick Warne and Co., n.d.)

31) Sale, G., The Koran: Translated into English from the original Arabic, introduction by E. Denison Ross (London: Frederick Warne and Co. Ltd. n.d.)
32) Samir Khalaf, Protestant Images of Islam: disparaging stereotypes reconfirmed, Islam and Christian-Muslim Relations, Vol.8, No.2 (1997)
33) Setton, Kenneth Meyer, Western Hostility to Islam and Prophecies of Islam: Memoirs of American Philosophical Society (Philadelphia: American Philosophical Society, 1992)
34) Stubbe, H., An Account of Rise and Progress of Mahometanism with the Life of Mahomet, ed. Hafiz Mahmud Khan Shirani (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1954)
35) The Encyclopaedia of Religions (New York: Macmillan Company, 1987) Vol. 12
36) Varisco, D.M., Reading Orientalism: Said and Unsaid (Seattle and London: University of London Press, 2007)
37) Watt, W. M., Bell's Introduction to the Qur'an (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1970)
38) Zwemer, S.M. Translations of the Koran, (Hartford Seminary: The Moslem World, July 1915)

قرآن اور دعوت فکر و نظر

The Quran and its call for Contemplation & Observation

Dr. Faizan Jafar Ali

Abstract:

This article deals with the Quranic concepts regarding contemplation and thinking. The words and phrases that are used In the Quran to highlight thinking and pondering include "ulu al-bab" (the people of thought), "tazakkur" (reminder/warning), "ta'aqqul" (critical thinking), and "tafakkur" (contemplation). Of these words and phrases, "fikr wa tafakkur" and its derivatives have a special significance in the Quran, signified by its appearance in the holy book in different forms. The Quranic concept of contemplation is not an abstract type of thinking, detached from observation. Rather, the Quran invites human beings to employ their intellectual and rational faculties to think about the glory and wisdom of God in the universe and to understand the realities so that they may explore the ways of life and knowledge.

Key words: *The Quran, call for Contemplation and Observation, Thinking and Pondering.*

خلاصہ

زیر نظر مقالہ میں قرآن میں غور و فکر سے متعلق بیان شدہ مفاہیم کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ قرآن نے انسان کو غور و فکر کی دعوت کے لئے جن متعدد الفاظ اور کلمات کا استعمال کیا ہے ان میں 'اولوالالباب' 'تذکر' 'تدبر' 'تعقل' اور 'تفکر' قابل ذکر ہیں۔ ان تمام الفاظ و کلمات میں فکر و تفکر سے متعلق کلمات اور ان کے مشتقات کو قرآن میں خاص اہمیت حاصل رہی ہے اور اس کا تذکرہ متعدد مقامات پر مختلف صورتوں میں بیان ہوا ہے۔ قرآن کریم جس قسم کے تفکر و تعقل اور غور و فکر کی دعوت دیتا ہے وہ محض اپنی خام خیالی کے محور پر سوچنا اور محسوس حقیقتوں سے بے خبر رہتے ہوئے ان ہی خیالات کو فلسفی انداز فکر دینا نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کائنات میں موجود تمام تخلیق کے بارے میں آیات و نشانیوں کو بیان کرتے ہوئے انسانی عقل کو بیدار کرتا ہے تاکہ انسان اپنی شعوری قوتوں کو کائنات میں خداوند عالم کی عظمت اور حکمت کی نشانیوں پر غور و فکر کے لئے کام میں لائے اور اپنی خام خیالیوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے آزاد فکری کے ساتھ حقائق کا ادراک کرتے ہوئے زندگی اور علم کی راہوں کو ہموار کرتا رہے۔

کلیدی کلمات: قرآن، دعوت فکر و نظر، غور و فکر۔

تمہید

کاروان بشریت عقل و فکر کے سائے میں مسلسل کمال کی جانب گامزن ہے اور عقل کی مدد سے زندگی کی راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں مصروف ہے اور ہر روز میدان کا رزار میں مشکلات کے مورچے فتح کر رہا ہے، لیکن آج عقل کے کرشموں نے دور حاضر کے انسانوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا ہے وہ محض عقل کا شیفتہ و فریفتہ ہوگیا ہے۔ علمی انکشافات ہی کو اس نے اپنی زندگی کا ہدف سمجھ لیا ہے اور اس طرز فکر کے نتیجے میں اس کی یہ فریفتگی سبب بنی کہ انسان غیر محسوس امور اور مبداء ہستی سے براہ راست پیوستہ استعداد اور توانائیوں سے چشم پوشی کرنے لگا۔ اگر مغرور انسان کی نظر دور تر اور وسیع تر افق پر ہوتی اور وہ وسیع پھیلے ہوئے غیر محسوس میدانوں میں قدم بڑھاتا تو ہر گز محض عقل کی جلوہ آرائیوں پر اکتفا نہ کرتا۔ اسلام عقل کی حدود، حقیقی قدر و قیمت اور اس کے میدان عمل سے کاملاً آگاہ ہے اور اسی آگاہی کے مطابق اس کی پرورش اور ہدایت کرتا ہے تاکہ انسان ہستی کے حقائق کو دقت نظر سے دیکھے۔

قرآن کریم عقل کو حکم دیتا ہے کہ جب تک کوئی چیز یقینی طور پر اس کے لئے ثابت نہ ہو اس کی پیروی نہ کرے اور جب تک قطعی دلائل ہاتھ نہ آجائیں کسی چیز کو قبول کرنے سے احراز کرے۔ " وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَـئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً " (17:36) ترجمہ: "اور جس چیز کے بارے میں تمہیں علم نہ ہو اس پر بھروسہ نہ کرنا کہ روز قیامت سماعت، بصارت اور قوت قلب سب سے سوال کیا جائے گا۔" پھر تاکید کرتا ہے کہ "إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا " (53:28) ترجمہ : " یہ صرف وہم و گمان کے پیچھے چلے جارہے ہیں اور گمان حق و حقیقت کی پہچان کے سلسلے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے۔" پھر محکم دلائل کے ذریعہ ایسی فکری بنیادوں کو جو اندھی تقلید پر رکھی گئی ہیں، منہدم کرتے ہوئے فاقد العقل مقلدین کو خبردار کرتا ہے کہ آباؤاجداد کی بے دلیل اور اندھی تقلید سراسر گمراہی ہے " قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ " (2:170) ترجمہ : "کہتے ہیں کہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا یہ ایسا ہی کریں گے چاہے ان کے باپ دادا بے عقل ہی رہے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ رہے ہوں۔"

اس مقالہ کے اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے اس بات کی طرف توجہ دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید نے غور و فکر کی دعوت دینے کے لئے کن الفاظ کا استعمال کیا ہے اور ان کے معانی و مفاہیم کیا ہیں؟

غور و فکر سے متعلق مختلف الفاظ کا استعمال

ہر زبان کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس میں کسی عمل کے اظہار کے لئے کئی الفاظ موجود ہوتے ہیں اسی طرح عربی زبان میں بھی سوچنے اور فکر و نظر کرنے سے متعلق بھی متعدد الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہر اس لفظ کا بخوبی استعمال ہوا ہے جو انسانی سوچ اور فکر و نظر سے وابستہ ہے اس مقالہ میں سب سے پہلے ہم ان الفاظ و کلمات کا مختصر جائزہ لیں گے تاکہ ان کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ ان الفاظ میں اولوا الالباب، تدبر، تذکر اور تفکر کو بیشتر اہمیت حاصل ہے۔

1. اولوا الالباب

الباب، لُب کی جمع ہے جس کا معنی مغز ہے اور " لبّ الشّیء خالصه و خیره " یعنی: کسی چیز کا بہترین اور خالص ہونا اور یہاں پر لُب سے مراد عقل ہے[1]۔ اولوا الالباب ان صاحبانِ لُب کو کہتے ہیں جو عاقل بھی ہوتے ہیں اور دنیا کے باطن سے بھی آگاہی رکھتے ہیں اور دنیا کی تمام موجودات کو الٰہی آیات تصور کرتے ہیں اور خالقِ ہستی کو آیات الٰہی کے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔ اہل معرفت کی نگاہ میں اولوا الالباب ان کو کہا جاتا ہے جو اشیاء کے لُب اور مغز تک پہنچ جاتے ہیں اور صرف دنیا کی ظاہری چیز تک ہی محدود نہیں رہتے۔[2] خدا وند متعال صاحبانِ خرد کی خصوصیات اس طرح بیان کرتا ہے کہ "أُوْلُوا الأَلْبَابِ"؛" لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُوْلِي الأَلْبَابِ" (12:111) ترجمہ: "وہ ہیں جو تاریخ سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔"؛" الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللهُ وَأُوْلَئِكَ هُمْ أُوْلُوا الأَلْبَابِ"(39:18)؛ترجمہ: " جو لوگ بات کو غور سے سنتے ہیں، پھر اس کے بہتر پہلو کی اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی ہے اور یہی لوگ عقل مند ہیں۔ " وہ بہترین اور برتر منطق کو قبول کرتے ہیں۔" "إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُواْ الأَلْبَاب"۔(13:19) ترجمہ: "صرف صاحبان عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔"

2. تذکر

اس کا اصل مادہ ذَکَر ہے جس کا معنی حفظ کرنا اور یاد کرنا ہے اب یہ چاہے زبانی ہو یا قلبی ہو اور اسی طرح یہ یاد کرنا چاہے فراموشی کے بعد ہو یا کسی یادآوری کے بعد ہو۔ ذکر ایک ایسی نفسانی ہَیئت ہے کہ انسان جس کے ذریعہ ان چیزوں کو یاد کرسکتا ہے جس کو اس نے دانائی کی بنیاد پر حاصل کیا ہو اور وہ حفظ ہی کی طرح ہے بس فرق یہ ہے کہ حفظ کا مطلب محفوظ رکھنا ہے لیکن ذکر کا مطلب ذہن میں حاضر کرنا ہے۔ خداوند متعال نے قرآن میں دو جگہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے: ایک سورہ انعام کی آیت نمبر ۸۰ میں " وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلاَ أَخَافُ

مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلاَّ أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلاَ تَتَذَكَّرُونَ " ترجمہ: "اور ابراہیم کی قوم نے ان سے بحث کی تو انہوں نے کہا: کیا تم مجھ سے اس اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہو جس نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے؟ اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو ان سے مجھے کوئی خوف نہیں مگر یہ کہ میرا پروردگار کوئی امر چاہے میرے پروردگار کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ کیا تم سوچتے نہیں ہو؟" ان کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ہدایت کے راستہ سے خارج ہو گئے ہیں لہٰذا ان کے لئے تذکر و یادآوری ہی حقیقی راہ کے پانے کا ذریعہ ہے اور دوسری جگہ سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۰۱ میں بیان کرتا ہے کہ: "اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ " ترجمہ: "بے شک جو لوگ اہل تقویٰ ہیں انہیں جب کبھی شیطان کی طرف سے کسی خطرے کا احساس ہوتا ہے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں اور انہیں اسی وقت سوجھ آجاتی ہے "ان کی طرف اشارہ ہے جو ہدایت کے راستے پر ہیں لیکن خاص ہدایت اور پہلی ہدایت پر پایدار رہنے کے لئے ضروری ہے کہ تذکر و یاد آوری سے کام لیتے رہیں اور غفلت نہ کریں۔

3. تدبر

اس کا اصل مادہ "دُبُر" ہے جس کا معنی کسی بھی چیز کی عاقبت یا اس کی پُشت۔ اس لئے تدبر کسی چیز کی جستجو کے آگے یا پیچھے کے نتائج کو کہتے ہیں۔[3] تدبر اور تفکر میں فرق یہ ہے کہ تفکر کسی موجود کے علل و خصوصیات سے متعلق جستجو کو کہتے ہیں لیکن تدبر اس جستجو کے نتائج سے متعلق تلاش کو کہتے ہیں۔[4] قرآن مجید تدبر کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: "كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُوا الْأَلْبَاب" (38:29) ترجمہ: "یہ ایک ایسی بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور صاحبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں" ۔"افَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْءَانَ أَمْ عَلىَ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا"۔ (47:24) ترجمہ: "کیا لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے لگ گئے ہیں؟"

4. تفکر

فکر یعنی: "الفکر حرکۃ الی المبادی و من مبادی الی المراد "کسی لازم مقدمات کے بارے میں سوچنا اور تامل کرنا تاکہ وہ چیز انسان کو ایسے مطلوب تک پہنچا سکے جو مجہول ہو۔[5] "فکّر" یعنی انسان کا کسی امر کے بارے میں تحقیق و جستجو کے بعد کسی فکر کو منظّم صورت میں باہر لانا۔[6] "تفکّر" یعنی قوتِ متخیلہ یا متفکرہ کو معلومات کے بارے میں تصرف میں لانا، یعنی عقل کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ جاننے والی چیزوں کو ایک دوسرے سے ربط دے سکے اور اس کے ذریعہ کسی بڑی حقیقت کو حاصل کیا جاسکے اور جس کی عقل اس بات کی طرف آگے نہ بڑھ سکے تو اس کے ذریعہ

اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ سورہ جاثیہ کی ۱۳آیت میں ارشاد ہوتا ہے "وَ سَخَّرَ لَكُمْ مافِي السَّماواتِ وَ مافِي الْأَرْضِ جَميعاً مِنْهُ إِنَّ في‏ ذلِكَ لَآياتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ"۔ ترجمہ: "اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے لئے مسخر کیا۔ غور کرنے والوں کے لئے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔" انسانی کمال و شرافت کا دار و مدار اس کی فکر و دانش پر ہوتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ: "تفکر انسان کو نیک کام اور اس پر عمل کرنے کی طرف گامزن کرتا ہے۔"[7]

علماء نے فکر کی دو قسمیں بیان کی ہیں: پہلی فکر کا مطلب، دنیوی امور کے حصول کے لئے فکر کرنا۔ دوسری قسم کا مطلب یہ ہے کہ معرفت الٰہی اور حق کی شناخت اور آخرت کے حصول کے لئے فکر کرنا۔[8] بدیہی ہے کہ فکر کرنا ذاتی طور پر ایک اچھا کام ہے لیکن شرط یہ ہے کہ حق کی راہ میں ہو تو اس کی اتنی فضیلت ہو جاتی ہے کہ ایک سال کی عبادت کے برابر قرار پاتی ہے کیونکہ یہی فکر انسان کی سرنوشت کو کلی طور پر بدل سکتی ہے، لیکن اگر یہ فکر کفر و فساد و شیطنت کے راستے پر ہو تو مذموم قرار دی گئی ہے۔[9]

ان مذکورہ چار الفاظ کے استعمال کے علاوہ بھی بہت سے ایسے مقامات قرآن میں موجود ہیں جن میں "افلا ینظرون" یا "الم تروا" "افلا تعقلون" "افلا یتذکرون" جیسے الفاظ و کلمات کا سہارا لے کر انسان کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، لیکن موضوع کی طوالت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہم صرف اور صرف کلمہ "فکر و تفکر" پر ہی گفتگو کریں گے۔

قرآن میں "فکر و تفکر" جیسے الفاظ کا استعمال

فکر و تفکر کے صحیح معنی و مفہوم جاننے کے لئے ہم کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ قرآن مجید نے کن مقامات پر اس کا استعمال کیا ہے تاکہ صحیح مفاہیم سے آشنا ہو سکیں۔ قرآن میں کلمہ "فکر" کا استعمال نہیں ہوا ہے البتہ اس کے مشتقات مثلاً فَكَّرَ، تفکّرون، یتفکّرون وغیرہ ۱۸آیتوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ مختصر نگاہ دوڑانے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ غور و فکر سے متعلق کلمات کا استعمال مکی اور مدنی دونوں سوروں میں ہوا ہے۔ ان ۱۸آیتوں میں سے تیرہ وہ آیتیں ہیں جو مکی ہیں اور مندرجہ ذیل ترتیب میں آخر کی پانچ آیتیں جن میں کلمہ فکر کے مشتقات کا استعمال ہوا ہے وہ مدنی ہیں۔ ہم یہاں پر ان کی طرف مختصر اشارہ کریں گے:

۱۔ إِنَّهُ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ (74:18) ترجمہ: "اس نے فکر کی اور اندازہ لگایا۔"

۲۔ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (7:176) ترجمہ: "تو اب اس کی مثال اس کتے جیسی ہے کہ اس پر حملہ کرو تو بھی زبان

نکالے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے یہ اس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو اب آپ ان قصّوں کو بیان کریں کہ شاید یہ غور و فکر کرنے لگیں۔''

۳۔ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُواْ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلاَّ نَذِيرٌ مُّبِينٌ (7:184) ترجمہ: " اور کیا ان لوگوں نے یہ غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (پیغمبر) میں کسی طرح کا جنون نہیں ہے۔ وہ صرف واضح طور سے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہے۔"

۴۔ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالأَنْعَامُ حَتَّىَ إِذَا أَخَذَتِ الأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلاً أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالأَمْسِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (10:24) ترجمہ: " زندگانی دنیا کی مثال صرف اس بارش کی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اس سے مل کر زمین سے وہ نباتات برآمد ہوئیں جن کو انسان اور جانور کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے سبزہ زار سے اپنے کو آراستہ کرلیا اور مالکوں نے خیال کرنا شروع کردیا کہ اب ہم اس زمین کے صاحب اختیار ہیں تو اچانک ہمارا حکم رات یا دن کے وقت آگیا اور ہم نے اسے بالکل کٹا ہوا کھیت بنادیا گویا اس میں کل کچھ تھا ہی نہیں۔ ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو مفصل طریقہ سے بیان کرتے ہیں اس قوم کے لئے جو صاحبِ فکر و نظر ہے۔"

۵۔ '' قُل لاَّ أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللّهِ وَلا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا يُوحَى إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَفَلاَ تَتَفَكَّرُونَ ''(6:50) ترجمہ: ''آپ کہہ دیجیے کہ ہمارا دعوی یہ نہیں ہے کہ ہمارے پاس خدائی خزانے ہیں یا ہم عالم الغیب ہیں اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم مَلَک (فرشتے) ہیں۔ ہم تو صرف وحی پروردگار کا اتباع کرتے ہیں اور پوچھیے کہ کیا اندھے اور بینا برابر ہو سکتے ہیں آخر تم کیوں نہیں سوچتے ہو۔''

۶۔ ''قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَى وَفُرَادَى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ''(34:46) ترجمہ: " پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ میں تمھیں صرف اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لئے ایک ایک دو دو کرکے اٹھو اور پھر یہ غور کرو کہ تمہارے ساتھی میں کسی طرح کا جنون نہیں ہے۔ وہ صرف آنے والے شدید عذاب کے پیش آنے سے پہلے تمہارا ڈرانے والا ہے۔"

۷۔ اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (39:42) ترجمہ: "اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت اپنی طرف بلا لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ہیں ان کی روحوں کو بھی نیند کے وقت طلب کرلیتا ہے اور پھر جس کی موت کا

فیصلہ کرلیتا ہے اس کی روح کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ مدّت کے لئے آزاد کر دیتا ہے اس بات میں صاحبان فکر و نظر کے لئے بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

۸۔ و سَخَّرَ لَکُم مَا فی السَّمٰواتِ وَ مَا فی الأرضِ جَمِیعاً مِنهُ اِنَّ فی ذلك لآیات لِقومٍ یتفکّرونَ (45:13) ترجمہ: " اور اسی نے تمہارے لئے زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو مسّخر کر دیا ہے بیشک اس میں غور و فکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

۹۔ یُنبِتُ لَکُم بِهِ الزّرعَ وَ الزّیتونَ و النَّخیلَ و الاَعنابَ وَ مِن کُلِّ الثَّمراتِ اِنَّ فی ذٰلِكَ لَآیَةً لِقومٍ یَتفکّرون (16:11) ترجمہ: " وہ تمہارے لئے زراعت، زیتون، خرمے، انگور اور تمام پھل اسی پانی سے پیدا کرتا ہے۔ اس امر میں بھی صاحبانِ فکر کے لئے اس کی قدرت کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

۱۰۔ وَ اَنزَلنا اِلَیكَ الذّکرَ لِتُبَیّنَ لِلنّاسِ ما نُزّلَ اِلَیهم وَ لَعَلّهُم یتفکّرون (16:44) ترجمہ: "اور آپ کی طرف بھی ذکر کو (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ ان کے لئے ان احکام کو واضح کردیں جو ان کی طرف نازل کئے گئے ہیں اور شاید یہ اس بارے میں کچھ غور و فکر کریں۔"

۱۱۔ ثُمَّ کُلِی مِن کُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسلُکِی سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً یَخرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّختَلِفٌ أَلوَانُهُ فِیهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِی ذَٰلِكَ لَآیَةً لِّقَومٍ یَتَفَکَّرُونَ (16:69) ترجمہ: " اس کے بعد مختلف پھلوں سے غذا حاصل کرے اور نرمی کے ساتھ خدائی راستہ پر چلے جس کے بعد اس کے شکم سے مختلف قسم کے مشروب برآمد ہوں گے جس میں پورے عالم انسانیت کے لئے شفا کا سامان ہے اور اس میں بھی فکر کرنے والی قوم کے لئے ایک نشانی ہے۔"

۱۲۔ اَوَلَم یَتفکّروا فی اَنفُسِهِم ما خَلَقَ اللهُ السّموات و الأرضَ وَ ما بَینَهُما اِلّا بالحَقِّ وَ اَجلٍ مُسَمّیٰ وَ اِنَّ کثیراً من النّاسِ بِلِقاءِ رَبّهم لکافِرُون (30:8) ترجمہ: " کیا ان لوگوں نے اپنے اندر فکر نہیں کی ہے کہ خدا نے آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی تمام مخلوقات کو برحق ہی پیدا کیا ہے اور ایک معین مدّت کے ساتھ لیکن لوگوں کی اکثریت اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار کرنے والی ہے۔

۱۳۔ وَ مِن آیاته اَن خَلَقَ لَکُم مِن اَنفُسِکُم اَزواجاً لِتَسکُنُوا اِلیها وَ جَعَلَ بَینَکُم مَوَدَّةً وَ رَحمَةً اِنَّ فی ذلك لآیات لِقومٍ یَتفکّرونَ (30:21) ترجمہ: "اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تم ہی میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے کہ اس میں صاحبانِ فکر کے لئے بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

۱۴۔ یَسأَلُونَكَ عَنِ الخَمرِ وَ المَیسِرِ قُل فیھما اِثمٌ کبیرٌ و منافعُ للنّاسِ وَ اِثمُھُما اَکبَرُ مِن نَفعِھما وَ یَسأَلُونَكَ ماذا یُنفِقون قُل العَفوَ کذلك یُبَیِّنُ اللهُ لَکُم الآیات لَعَلَّکُم تَتفکّرون (2:219) ترجمہ: " یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور بہت سے فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ فائدے سے کہیں زیادہ بڑا ہے اور یہ راہ خدا میں خرچ کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو کہہ دیجئے کہ جو بھی ضرورت سے زیادہ ہو۔ خدا اسی طرح اپنی آیات کو واضح کرکے بیان کرتا ہے کہ شاید تم فکر کرسکو۔"

۱۵۔ اَیَوَدُّ اَحَدُکُم اَن تَکونَ لَهُ جَنّةٌ مِن نخیلٍ وَ اعنابٍ تجری مِن تَحتھا الانھارُ لهُ فیھا من کُلِّ الثمراتِ وَ اصابَه الکِبَرُ وَ لَهُ ذُرّیَةٌ ضُعَفاءُ فَاَصابَھا اِعصارٌ فیه نارٌ فاحترقَت کذلكَ یُبَیِّنُ اللهُ لَکُم الآیات لَعَلّکُم تتفکّرون (2: 266) ترجمہ: " کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجور اور انگور کے باغ ہوں، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں ان میں ہر طرح کے پھل ہوں --- اور آدمی بوڑھا ہو جائے، اس کے کمزور بچے ہوں اور پھر اچانک تیز گرم ہوا جس میں آگ بھری ہو چل جائے اور سب جل کر خاک ہو جائے۔ خدا اسی طرح اپنی آیات کو واضح کرکے بیان کرتا ہے کہ شاید تم فکر کرسکو۔"

۱۶۔ الَّذِینَ یَذْکُرُونَ اللّهَ قِیَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُونَ فِی خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (3:191) ترجمہ: "جو لوگ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں --- کہ خدایا تو نے یہ سب بے کار نہیں پیدا کیا ہے تو پاک و بے نیاز ہے ہمیں عذاب جہنّم سے محفوظ فرما۔"

۱۷۔ وَهُوَ الَّذِی مَدَّ الأَرْضَ وَجَعَلَ فِیهَا رَوَاسِیَ وَأَنْهَارًا وَمِن کُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِیهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی اللَّیْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِی ذَلِكَ لَآیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَتَفَکَّرُونَ (3:13) ترجمہ: " وہ خدا وہ ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں اٹل قسم کے پہاڑ قرار دیئے اور نہریں جاری کیں اور ہر پھل کا جوڑا قرار دیا وہ رات کے پردے سے دن کو ڈھانک دیتا ہے اور اس میں صاحبانِ فکر و نظر کے لئے بڑی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

۱۸۔ لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَیْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُونَ (59:21) ترجمہ: "ہم اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کردیتے تو تم دیکھتے کہ پہاڑ خوف خدا سے لرزاں اور ٹکڑے ٹکڑے ہوا جارہا ہے اور ہم ان مثالوں کو انسانوں کے لئے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ کچھ غور و فکر کرسکیں۔"

مذکورہ آیات کا تجزیہ

1) فکر وتدبر کے بارے میں اتنی زیادہ آیتیں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسان کی فردی اور سماجی زندگی میں غور و فکر کی بہت اہمیت ہے۔ علامہ طباطبائی اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ: انسان کی زندگی فطری ہے اگر اس کی زندگی کو بغیر ادراک (جسے ہم فکر کہتے ہیں) تصور کریں تو ایسی زندگی میں ثبات نہیں ہوگا اور فکری لحاظ سے زندگی کے لوازمات کی بناء اسی پر ہے کہ انسان کی فکر جتنی صحیح اور بہتر ہوگی اس کی زندگی بھی اتنی ہی مستحکم اور برتر ہوگی لہٰذا زندگی میں ثبات کا پایا جانا انسان کی صحیح فکر پر منحصر ہے۔[10]

2) اکثر آیات کا لب و لہجہ توبیخ کرنے والا ہے جس میں یہ بات بیان نہیں کی گئی ہے کہ تفکر کیا ہے اور دوسری طرف یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن نے فکر وتدبر کو کسی خاص گروہ سے مخصوص و محدود نہیں کیا ہے بلکہ تمام انسانیت کو اس کی دعوت دی ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بدیہی اور فطری طور پر غور و فکر کرنا انسان کے وجود میں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر کوئی اپنے اندر پائی جانے والی اس قوت کا ادراک کر سکتا ہے اور اس کے لوازمات کے ذریعہ سامنے نظر آنے والی اشیاء میں غور و فکر کر سکتا ہے۔

3) تمام آیات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کی نظر میں بغیر شرط و قید کے غور و فکر کرنا ممدوح نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی اہمیت ہے، بلکہ جس کے بارے میں تفکر کیا جارہا ہے اس کے بارے میں جستجو کرنی چاہیے اور اس کو عقل کے ترازو پر پرکھنا چاہیے۔ اگر عقل نے اسے عاقلانہ کام قرار دیا ہو تو وہ ممدوح ہوگا ورنہ مذموم قرار پائے گا۔ سورہ مدثر کی آیت نمبر ۱۸ وہ پہلی آیت ہے جس میں تفکر کو قرآن سے مبارزہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور خدا نے اس طرح کے تفکر کی شدت کے ساتھ مذمت کی ہے اور ایسا طرز تفکر رکھنے والے کو اخروی عذاب سے ڈرایا ہے کیونکہ ایسا تفکر انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

4) ان قرآنی آیات کے مدّ نظر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ غور و فکر کرنے کی جو صفت ہے وہ صرف اور صرف انسان ہی میں پائی جاتی ہے۔ خدا نے کسی جگہ پر خود کو مفکر یا فکر و تفکر جیسی صفت سے نسبت نہیں دی ہے۔ شاید اس کا راز یہ ہے کہ چونکہ فکر و نظر کا جو سسٹم ہے وہ انسانی محسوسات کو بروئے کار لاتے ہوئے مجہولات سے معلومات کی طرف حرکت کرتا ہے جبکہ خدا کے یہاں نہ صرف یہ کہ مجہول کا

کوئی معنی و تصور نہیں ہے، بلکہ خداوند عالم تو جسم و جسمانیات سے مبرا و منزہ ہے کہ اس کو مجہولات سے معلومات کو حاصل کرنے کے لئے انسان کی طرح حواس کی ضرورت پڑے۔

5) بعض آیات میں خدا کے ذکر کے بعد زمین و آسمان کی خلقت کے بارے میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتے ہوئے صاحبان فکر و نظر کو اولوالالباب کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۱ میں مذکور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تفکر کا رابطہ باقاعدہ طور پر عقل سے ہوتا ہے اور امام علی علیہ السلام نے ایک حدیث میں تفکر کو انسانی عقل کی بنیاد قرار دیا ہے: ''اَصْلُ العَقْلِ الفِکْرُ و ثَمَرَتُہُ السَّلامَۃُ'' یعنی: عقل کی اساس و بنیاد غور و فکر کرنا ہے جس کا نتیجہ اس کی سلامتی ہے۔[11] یقینا بیرونی دنیا ہمارے وجود میں نہیں آسکتی بلکہ اس کی تصویر اور شکل کو ہم اس کے وسیلہ کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں اسی لئے بیرونی دنیا سے متعلق شناخت، کسی نہ کسی وسیلہ کے ذریعہ ہی قابل امکان ہے جس کا ادراک ہم اپنے کان اور آنکھ سے کر سکتے ہیں اور یہ ذرائع جو کچھ بھی بیرونی دنیا میں دیکھتے ہیں وہ ہمارے ذہن کو منتقل کرتے ہیں اور ہم اس ڈیٹا کو عقل و فکر کی کسوٹی پر تولتے ہوئے تجزیہ اور تحلیل کرتے ہیں۔[12]

6) قرآن مجید نے فکر و تفکر کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ غور و فکر کرنے کے منابع اور سرچشموں سے بھی آگاہ کیا ہے تاکہ اس کے وسیلہ سے انسانی فکر اس ہدایت کے راستہ کو پاسکے جو اس کے لئے سودمند ہو۔[13]

مذکورہ بالا آیات کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید نے جس فکر و نظر کی دعوت دی ہے وہ تین چیزوں میں غور و فکر کرنا ہے: ا۔ فطری دنیا ۲۔ انسانی (انفسی) دنیا ۳۔ تاریخی دنیا۔[14] آسمان و زمین کی خلقت، فطری دنیا کی ایسی نشانیاں ہیں جس کے قوانین قابلَ مشاہدہ ہیں اور یہ ایسے موارد ہیں کہ قرآن نے بارہا انسان کو اس قدرتی و فطری دنیا کو سمجھنے کے لئے فکر و نظر کی دعوت دی ہے۔ انسانی خلقت کی کیفیت اور اس کے دقیق اور قوی و ضعیف نقاط کو ہم انسانی یا انفسی دنیا سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی طرح گذشتہ قوموں کے قصے اور ان سے عبرت آموزی کو ہم نے تاریخی دنیا سے تعبیر کیا ہے۔

قرآن اور دعوت فکر و نظر

تمام باتوں کو سمیٹتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم جس قسم کے تفکر و تعقل اور غور و فکر کی دعوت دیتا ہے وہ محض اپنی خام خیالی کے محور پر سوچنا اور محسوس حقیقتوں سے بے خبر رہتے ہوئے ان ہی خیالات کو فلسفی انداز فکر دینا نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید تخلیق عالم کے بارے میں آیات و نشانیوں کو بیان کرتے ہوئے انسانی عقل

کو بیدار کرتا ہے تاکہ انسان اپنی شعوری قوتوں کو کائنات میں حق تعالی کی عظمت اور حکمت کی نشانیوں پر غور و فکر کے لئے کام میں لائے اور اپنی خام خیالیوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے آزاد فکری کے ساتھ حقائق کا ادراک کرے اور اوہام و خرافات کے تاریک وادیوں میں سر گردان و پریشان نہ ہو تاکہ اس کے حواس و ادراک ایک ایسی حقیقی روح سے پیوست ہو جائیں جو پوری کائنات میں جاری ہے اور یہی عقل کی اعلیٰ ترین فضیلت ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان بھی کیا ہے کہ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر انسانوں کو عالم ہستی کی ایک ایک چیز کے بارے میں غور و فکر کی ترغیب دلائی ہے اور فکر و تعقل کی دعوت دی ہے تاکہ اس کے ذریعہ خدا کی معرفت حاصل کرسکے اور یہ انسان دنیا میں موجود تمام علوم سے آشنا ہوسکے۔ ارشاد ہوتا ہے: آسمانوں اور زمین کی خلقت میں، رات دن کے آنے جانے میں، انسانوں کے فائدے کے لئے دریا میں چلنے والی کشتیوں میں، خدا کی طرف سے آسمان سے نازل ہونے والے پانی میں، جس نے زمین کو موت کے بعد زندگی دی ہے اور ہر طرح کے چوپائے اس میں پھیلے ہوئے ہیں، ہواؤں کے چلنے میں اور آسمان و زمین کے درمیان مسخر کئے جانے والے بادلوں میں صاحبان عقل یا غور و فکر کرنے والوں کے لئے اللہ کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔(2:164) اور سورہ آل عمران کی ۱۹۰ویں آیت میں یوں ارشاد ہوتا ہے: ''اور اسی نے تمہارے رات دن اور آفتاب و ماہتاب سب کو مسخر کردیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ بیشک اس میں بھی صاحبانِ عقل کے لئے قدرت کی بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں''۔(16:12)

اس کے علاوہ سورہ حم سجدہ کی ۹ویں، ۱۲ویں آیت میں، سورہ الملک کی آیت نمبر ۳ و ۴ میں، سورہ فرقان کی ۶۱ و ۶۲ ویں آیات میں، سورہ انبیاء کی ۳۰ و ۳۳ آیات میں، سورہ یونس کی پانچویں آیت میں، سورہ رعد کی تیسری اور چوتھی آیات میں، سورہ نحل کی دس سے لے کر چودہویں آیات میں، سورہ انعام کی ۹۵ سے ۹۹ تک کی آیات میں اور سورہ روم کی آیت نمبر ۸، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۵۰ میں اور سورہ عنکبوت کی انیسویں اور بیسویں آیات میں خداوند متعال اپنی قدرت کی جلوہ آرائیوں کے نمونے بیان کرتا ہے اور انسانوں کو دعوت فکر و نظر دیتا ہوا نظر آرہا ہے۔

بعض مقامات پر خداوند عالم انسانوں کے وجود کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتا ہے: '' أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ'' (47:24) ترجمہ: ''تم قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے؟'' یا ''اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ '' (88:17) ترجمہ: ''کیوں نہیں اس اونٹ کو دیکھتے اور سوچتے کہ ہم نے اسے کس طرح خلق کیا ہے؟'' ''وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ'' (88:18) ترجمہ: ''آسمان کو دیکھو اور سوچو کہ اسے کیسے بلند کیا ہے؟'' ''وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ'' (88:19) ترجمہ: ''پہاڑوں کو دیکھو اور سوچو کہ اسے کیسے نصب کیا ہے؟'' ''وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ'' (88:20) ترجمہ: ''زمین کو دیکھو اور سوچو کہ اسے کیسے بچھایا ہے؟'' یا ''كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ'' (2:242) ترجمہ: ''اور اسی

طرح اللہ نے تمہارے لئے بہت سی نشانیاں قائم کی ہیں شاید تم عقل سے کام لو"۔ "لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" (21:10) ترجمہ: "ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی ہے جس میں خود تمہارا ہی ذکر ہے، تم کیوں نہیں عقل سے کام لیتے؟"۔ مذکورہ تمام آیات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دنیا میں جتنی بھی چیزیں موجود ہیں ان سب میں خدا نے اپنے بندوں کو غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے بلکہ ارشاد ہوتا ہے: "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمَاوَاتِ وَمَافِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" (45:13) ترجمہ: "جو کچھ بھی زمین میں ہے اور جو کچھ بھی آسمان میں ہے اے میرے بندوں ہم نے تمہارے لئے بنایا ہے۔" لیکن پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان تمام چیزوں کا وہی لوگ ادراک کر پائیں گے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں: "إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" (45:13) ترجمہ: "بیشک ان میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

پروردگار عالم اپنے بندوں کو صاحب علم و صاحب بصیرت دیکھنا چاہتا ہے اور کوئی بھی علم بغیر غور و فکر کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے اسی لئے وہ اپنے بندوں کو بار بار اور متعدد مقامات پر اپنی قدرت کی نشانیوں کو بیان کرکے دعوت فکر و نظر دیتا ہے کیونکہ جب انسان دنیا اور عالم ہستی کی چیزوں میں غور و فکر کرے گا تو علم کی طرف راغب ہوگا جس طرح اگر کوئی انسان ستاروں کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہے کہ یہ ستارے کہاں پر واقع ہیں؟ زمین سے کتنی دوری پر ہیں؟ زمین سے بڑے ہیں یا چھوٹے؟ تو اس کو علمِ نجوم کی ضرورت ہوگی اور علم نجوم کا سہارا لینا پڑے گا جو اسے سارے سوالات کا جواب دیدے گا اسی طرح دوسرے علوم بھی غور و فکر کے نتیجے میں دستیاب ہوتے ہیں۔ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: "لَا علمَ کا التفکر" تفکر جیسا کوئی علم نہیں ہے۔[15] یعنی جب انسان غور و فکر کرتا ہے تو علم کے ارتقائی منازل و مراحل کو طے کرنے لگتا ہے اور اسی تفکر کے نتیجے میں وہ صاحب بصیرت ہو جاتا ہے۔ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں "مَن تفکر اَبصَرَ"[16] پھر ارشاد فرماتے ہیں: "صاحب بصیر وہی ہے جو سنے تو غور بھی کرے اور دیکھے تو نگاہ بھی کرے اور پھر عبرتوں سے فائدہ حاصل کرکے اس سیدھے اور روشن راستے پر چل پڑے جس میں گمراہی کے گڑھے میں گرنے سے پرہیز کرے اور شبہات میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائے"۔[17]

ماہرین علوم کے مطابق علم تین طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلا مشاہدہ ہے جس کے لئے انسانی تجربہ بھی ضروری ہے۔ کائنات کے ہر ذرے میں قدرت نے حکمت کے ایسے موتی پروئے ہیں جن پر غور کرنے سے انسان کے لئے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں حافظ کا یہ شعر علم بالمشاہدہ کے لئے کافی ہے:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار — ہر ورقی دفتریست معرفت کردگار

یعنی اولوا الالباب کے لئے عقل والوں کے لئے ہر درخت کا ہر سبز و سرخ پتہ خالق کی معرفت کا ایک ضخیم دفتر ہے۔ سائنس کی ابتدا مشاہدے سے ہوتی ہے اور مشاہدہ تجربے سے فروغ پاتا ہے۔ کشش ارضی کا اصول نیوٹن کو کلاس روم سے نہیں ملا بلکہ درخت سے پھل گرنے کے مشاہدے سے ملا ہے۔ اسی طرح ریل کا انجن بنانے والے کو اس کا خیال بھاپ کے مشاہدے سے ملا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے تفکر و تدبر پر زور دیا ہے کیونکہ تفکر و تدبر علم کا پہلا زینہ ہے اور علم کا نکتہ آغاز ''روح تجسّس'' ہے یعنی'' اسپرٹ آف انکوئری''۔ فضا میں اڑنا، سمندروں کی تہ تک پہنچنا، ستاروں کو ناپنا، تنکوں کو توڑ کر بجلی کی قوت پیدا کرنا، کوئلے کو انرجی میں بدلنا وغیرہ یہ سب انسان کی ''روح تجسّس'' کے ثمرات ہیں۔

علم کے حصول کا دوسرا طریقہ فلسفہ ہے جہاں نہ مشاہدہ کام آتا ہے نہ تجربہ جیسے روح، خوشبو، درد، نیکی، سچائی، توقیر، اخلاق، عزت، نعمت، حکمت، لذت، اقدار اور افکار جو دکھائی نہیں دیتے یہ چیزیں نہ بازار میں بکتی ہیں نہ کسی تجربے کی میز پر لائی جاسکتی ہیں ان کو سمجھنے کے لئے عقل کی جلا چاہیے اور عقل کی جلا استاد اور راہبروں کے بتانے سے آتی ہے۔

علم کے حصول کا تیسرا طریقہ الہام ہے یہاں عقل بھی کام نہیں آتی یعنی مشاہدے کے لئے تجربہ چاہیے فلسفہ کے لئے عقل درکار ہے لیکن الہام نہ تجربہ کا محتاج ہے نہ عقل کا، یہاں حقایق کا پردہ فاش ہوتا ہے وحی کے ذریعہ، موسیٰ کا ید بیضا، عیسیؑ کی مسیحائی اور پیغمبر اکرم ﷺ کا معجزہ شق القمر یہ سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔

علم کے پہلے طریقہ کو خاص اہمیت حاصل ہے جس کے بارے میں خدا نے بارہا ذکر کیا ہے کہ ہم نے دنیا میں تمہارے لئے بہت سی نشانیاں پیدا کی ہیں مگر ان نشانیوں کو وہی افراد دیکھ سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں جو غور و فکر اور تدبر سے کام لیتے ہیں۔ جب انسان غور و فکر کرتا ہے تو بصیر ہونے لگتا ہے اور اپنے غور و فکر کے نتیجہ میں بصیر ہونے کے بعد تجربہ کی منزل میں آتا ہے تو دنیا کے راز اس کے سامنے آشکار ہونے لگتے ہیں جس کے نتیجہ میں معرفت خداوندی کا دروازہ اس کے سامنے کھلنے لگتا ہے اور عقل انسانی یہ کہہ اٹھتی ہے خداوندا! تو ہی کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور تو ہی وحدہ لاشریک ہے تو نے یہ تمام چیزیں بیکار پیدا نہیں کی ہیں جن کے بارے میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''جو لوگ اٹھتے بیٹھے لیٹتے خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ''(3:191) ترجمہ: ''خدایا! تونے یہ سب بیکار پیدا نہیں کیا ہے۔''

اسی لئے احادیث میں بھی غور و فکر کرنے والے انسان کو بہت اہمیت دی گئی ہے حتی ارشاد ہوتا ہے: ''مَن تفکر ساعة مِن عبادة ستين سنة''[18] یعنی ایک لمحہ کی صحیح فکر، ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ دوسری جگہ پر

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نصیحت فرماتے ہیں کہ ''خود کو غور و فکر سے عشق اور اسی طرح استغفار کا عادی بناؤ کیونکہ یہ روش تمہاری خامیوں اور خرابیوں کو نہ صرف دور کرے گی بلکہ تمہارے ثواب میں اضافہ کا بھی باعث ہوگی''۔[19] ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ غور و فکر کے نتیجے میں معرفت خداوندی کے دریچے کھلتے ہیں اور استغفار سے تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اول الدین معرفته''[20] دین کی ابتدا پروردگار عالم کی معرفت سے ہے۔

فرانسیسی مصنف موریس بوکائلے لکھتا ہے۔ ''قرآن ہمیں جہاں جدید سائنس کو ترقی دینے کی دعوت دیتا ہے، وہاں خود اس میں قدرتی حوادث سے متعلق بہت سے مشاہدات و شواہد ملتے ہیں اور اس میں ایسی تشریحی تفصیلات موجود ہیں جو جدید سائنسی مواد سے کلی طور پر مطابقت رکھتی ہیں، یہودی، عیسائی، تنزیل میں ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ مزید کہتا ہے کہ ''لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی کا اظہار سمجھا جائے لیکن ساتھ ہی اس استناد کے سبب جو اس سے فراہم ہوتی ہے نیز ان سائنسی بیانات کی وجہ سے جن کا آج بھی مطالعہ کرنا بنی نوع انسان کے لئے ایک چیلنج ہے، اس حوالے سے اس کو ایک انتہائی خصوصی مقام حاصل ہے''۔[21]

ماہ رمضان کی وہ باعظمت رات جسے شب قدر کہا جاتا ہے اور خداوند عالم جس کے لئے ارشاد فرماتا ہے: ''اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ'' ترجمہ: ''ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور تم کیا جانو شب قدر ہے کیا؟ شب قدر ہزار راتوں سے افضل ہے۔'' احادیث میں بھی شب قدر کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور ان راتوں میں سورہ روم، سورہ دخان اور سورہ عنکبوت پڑھنے کی تاکید بھی کی گئی ہے شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ جب آپ ان تینوں سوروں کی معنویت کو دیکھیں تو نظر آئے گا کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو عالم ہستی کی چیزوں میں غور و فکر کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ یعنی خداوند متعال ان راتوں میں بندوں کو فقط رات بھر جاگنے کی دعوت نہیں دے رہا ہے، بلکہ دنیا کی خلقت اور اپنی معرفت کی دعوت دے رہا ہے کیونکہ جب انسان غور و فکر کے نتیجے میں معرفت کے کمال کو پالے گا تب سورہ قدر کی بقیہ آیات کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے: تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِیۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ'' ترجمہ: ''فرشتے اور روح اس شب میں اپنے رب کے اذن ے تمام (تعیین شدہ) حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔ یہ رات طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔''

*****

حوالہ جات

1۔ حسین بن محمد، راغب اصفہانی، *المفردات فی غرایب القرآن* (دار العلم الدار الشامیۃ، 1412ھ) 105؛ محمد حسین طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج2 (قم: دفتر انتشارات اسلامی، 1420ھ) 608۔

2۔ عبد اللہ جوادی، آملی، *تسنیم*، ج16 (قم: اسراء، 1388ش) 602۔

3۔ حسین بن محمد، راغب اصفہانی، *المفردات فی غرایب القرآن* (دار العلم الدار الشامیۃ، 1412ھ) 307۔

4۔ ناصر، مکارم شیرازی، *تفسیر نمونہ*، ج4 (تہران: دار الکتاب الاسلامیہ، 1374 شمسی اور ایڈیشن 1384، 29 شمسی) 29-28۔

5۔ حسن، مصطفوی *تفسیر روشن*، ج7، (تہران: کتاب، 1380 شمسی) 388؛ عبد الحسین طیب، اطیب البیان فی تفسیر القرآن، ج12 (تہران: انتشارات اسلام، 2 ایڈیشن، 1378 شمسی) 113۔

6۔ گروہ مترجمین، *تفسیر ہدایت*، ج17 (مشہد: بنیاد پژوہش ہای اسلامی آستان قدس رضوی، 1377 شمسی) 86۔

7۔ محمد یعقوب، کلینی، *اصول کافی* ترجمہ سید جواد مصطفوی، ج2، باب التفکر، روایت 5 (تہران: علمیہ السلامیہ، 1391 شمسی) ندارد۔

8۔ عبد الحسین، طیب، *اطیب البیان فی تفسیر القرآن*، ج13 (تہران: انتشارات اسلام، ایڈیشن 1378، 2 شمسی) 274۔

9۔ ناصر، مکارم شیرازی، *تفسیر نمونہ*، ج25 (تہران: دار الکتاب الاسلامیہ، 1374 شمسی اور 29 ایڈیشن، 1384 شمسی) 228

10۔ محمد حسین، طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج5 (قم: دفتر انتشارات اسلامی، 1420ھ) 414۔

11۔ عبد الواحد، تمیمی آمدی، *غرر الحکم ودرر الکلم* (قم: دفتر تبلیغات، 1366ش) 52۔

12۔ ناصر، مکارم شیرازی، *تفسیر نمونہ*، ج11 (تہران: دار الکتاب الاسلامیہ، 1374 شمسی اور 29 ایڈیشن، 1384 شمسی) 336۔

13۔ مرتضی، مطہری، *انسان وایمان* (تہران: انتشارات صدر، 1357ش) 91۔

14۔ محمد حسین، طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج3، (قم: دفتر انتشارات اسلامی، 1420ھ) 88۔ مرتضی مطہری، انسان وایمان (تہران: انتشارات صدر، 1357ش) 92۔

15۔ سید محمد، رضی، *نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، حکمت نمبر 113 (گولہ گنج لکھنؤ: تنظیم المکاتب، 2005ء) 671۔

16۔ سید محمد، رضی، نہج البلاغہ، نامہ 31، 537۔

17۔ سید محمد، رضی، نہج البلاغہ، خطبہ 153، 258۔

18۔ محمد باقر، مجلسیؒ، *بحار الانوار*، ج 66 (بیروت: موسسہ الوفاء، ندارد) 293۔

19۔ عبد الواحد، تمیمی آمدی، *غرر الحکم ودرر الکلم* (قم: دفتر تبلیغات، 1366ش) 189۔

20۔ سید محمد رضی، *نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، خطبہ 1 (گولہ گنج لکھنؤ: تنظیم المکاتب، 2005ء) 27۔

21۔ بوکائلے، مورلیس، *بائیبل قرآن اور سائنس*، ترجمہ: ثناء الحق صدیقی (سیالکوٹ: وقاص پبلشرز 2000ء) 18۔

کتابیات

1) حسین بن محمد، راغب اصفہانی، *المفردات فی غرایب القرآن*, دار العلم الدار الشامیۃ، 1412ھ۔

2) طباطبائی، محمد حسین، *المیزان فی تفسیر القرآن*، قم، دفتر انتشارات اسلامی، 1420ھ۔

3) آملی، عبد اللہ جوادی، *تسنیم*، قم، اسراء، 1388ش۔

4) مکارم شیرازی، ناصر، *تفسیر نمونہ*، تہران، دار الکتاب الاسلامیہ، 1374 شمسی اور ایڈیشن 1384 شمسی۔

5) مصطفوی, حسن، *تفسیر روشن*، تہران, کتاب، 1380 شمسی۔

6) عبد الحسین طیب، اطیب البیان فی تفیسر القرآن، تہران، انتشارات اسلام، 2 ایڈیشن، 1378 شمسی۔

7) گروہ مترجمین، *تفسیر ہدایت*، مشہد، بنیاد پژوہش ہای اسلامی آستان قدس رضوی، 1377 شمسی۔

8) کلینی، محمد یعقوب، *اصول کافی* ترجمہ سید جواد مصطفویؒ، باب التفکر، روایت 5 تہران، علمیہ السلامیہ، 1391 شمسی۔

9) عبد الحسین، طیب، *اطیب البیان فی تفصیسر القرآن*، تہران، انتشارات اسلام، 1378 شمسی۔

10) تمیمی آمدی، عبد الواحد، *غرر الحکم و درر الکلم*، قم، دفتر تبلیغات، 1366ش۔

11) مطہری، مرتضی، *انسان و ایمان*، تہران، انتشارات صدر، 1357ش۔

12) رضی، سید محمد، *نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، گولہ گنج لکھنؤ، تنظیم المکاتب، 2005ء۔

13) مجلسیؒ، محمد باقر، *بحار الانوار*، بیروت، موسسہ الوفاء ندارد۔

14) بوکائلے، مورلیس، *بائیبل قرآن اور سائنس*، ترجمہ: ثناء الحق صدیقی، سیالکوٹ: وقاص پبلشرز، 2000ء۔

رحمت خدا کا اسلامی تصور

The Islamic Concept of GOD's Mercy

Dr. Qaiser Abbas Jafri

Abstract:

The issue of Divine Mercy is an important issue of divine religions. While treating this issue Christian religious scholars claim that the The God in Christianity is merciful and that of Muslims' otherwise. Muslims claim that their God's mercy precedes His wrath. In this backdrop a need was felt to pen down a research-based article to explore the reality. This article is, historically speaking, based on a qualitative-analytical approach where libraries and original sources have been utilized. It concludes that the misconception that Divine Wrath precedes Divine Mercy in Islam has emanated from the lack of forgiveness, patience, and Islamic rationality in some Muslims, irrespective of the fact that Islam is a religion of mercy.

Key words: *The Mercy of God, The Divine Punishment, Concept, Muslim, Christian*

خلاصہ

آسمانی ادیان کا ایک اہم موضوع "رحمتِ خدا" ہے۔ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے وقت عیسائی اسکالرز دعوی کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے خدا کے برعکس، عیسائیت میں خدا بہت رحیم ہے۔ مسلمان مدعی ہیں کہ خدا کی رحمت، خدا کے غضب پر مقدم ہے۔ اس تناظر میں حقیقت تک رسائی کے لئے اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ پیش کرنے کی ضرورت پیش کی گئی۔ اس تحقیق میں تاریخی نقطہ نظر سے توصیفی۔ تحلیلی طریقہ کار اپنایا گیا ہے جس میں لائبریریز اور اصلی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کی انجام دہی کے بعد یہ واضح کیا گیا ہے کہ بعض مسلمانوں میں بخشش، صبر اور اسلامی فراست کی کمی دیکھ کر عیسائی مبلغین یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دین اسلام میں بھی خدا کا غضب، اس کی رحمت پر غالب ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اسلام دین رحمت ہے۔

کلمات کلیدی: رحمت خدا، غضب الٰہی، تصور، مسلمان، عیسائی۔

تعارف

اللہ تعالی کی رحمت ایک ایسا موضوع ہے جو کہ طول تاریخ میں انسانیت کی توجہ کا مرکز و محور رہا ہے۔ اس موضوع پر جہاں کتب آسمانی اور رسولان الہی نے تاکید فرمائی ہے وہیں بہت سارے علماء اور دانشوروں نے بھی بات کی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ہر رنگ و نسل کے لوگ اس موضوع سے کسی نہ کسی حد تک مربوط اور اس کے معتقد رہے ہیں کہ جس کا اظہار وہ اپنے ایمان و عقیدہ کے پیش نظر، اپنی گفتار و کردار سے کرتے چلے آئے ہیں۔ دین اسلام کی بنیاد رحمت خدا پر رکھی گئی ہے اگر قرآن مجید کا انڈیکس (Index) دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے اس میں تین سو چودہ (۳۱۴) مقامات پر الفاظ کے ہیر پھیر سے رحمت خدا کا ذکر ہوا ہے کہ جن میں فقط لفظ (رحمٰن[1]) جو کہ اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک ہے اور جسے خدا کے علاوہ کسی اور کے ساتھ توصیف نہیں کیا جا سکتا، ایک سو انتر (۱۶۹) مرتبہ آیا ہے[2] اسی طرح سے الفاظ جیسے: "رحیم، یرحم اور رحمۃً" وغیرہ قرآن مجید میں اللہ تعالی کی رحمت کے آئینہ دار ہیں کہ جن کا متعدد آیات مبارکہ میں ذکر ہوا ہے مثلاً: وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۔۔۔ (6:133)؛ ترجمہ: "اور آپ کا رب بے نیاز ہے، رحمت کا مالک ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کرکے تمہاری جگہ جسے چاہے جانشین بنادے جیسا کہ خود تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔" وَرَحۡمَتِي وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٖ (7:156)؛ ترجمہ: "اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔" مَنۡ يُصۡرَفۡ عَنۡهُ يَوۡمَئِذٖ فَقَدۡ رَحِمَهُۥ ۔۔۔(6:16)؛ ترجمہ: "جس شخص اس روز یہ (عذاب) ٹال دیا گیا اس پر اللہ نے (بڑا ہی) رحم کیا اور یہی نمایاں کامیابی ہے۔" يُعَذِّبُ مَنۡ يَشَاءُ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَشَاءُ ۔۔۔ (29:21)؛ ترجمہ: "وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے۔" أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٞ (2:157)؛ ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود ہیں اور رحمت بھی۔" خَيۡرٗا مِّنۡهُ زَكَوٰةٗ وَأَقۡرَبَ رُحۡمٗا؛(18:81) ترجمہ: "وپاکیزگی میں (بھی) اس (لڑکے) سے بہتر ہو اور شفقت و رحم دلی میں (بھی والدین سے) قریب تر ہو" مُّحَمَّدٞ رَّسُولُ ٱللَّهِ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ ۔۔۔(48:29) ترجمہ: "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع، سجود میں دیکھتے ہیں، وہ اللہ کی طرف سے فضل اور خوشنودی کے طلبگار ہیں سجدوں کے اثرات سے ان کے چہروں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، ان کے یہی اوصاف توریت میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی ان کے یہی اوصاف ہیں، جیسے ایک کھیتی جس نے (زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹی ہو گئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ اس طرح کفار کا جی جلائے، ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح

بجالائے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعہدہ کیا ہے۔"؛ وَاخْفِضْ لَهُما جَناحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُما كَما رَبَّيانِي صَغِيراً (17:24) ترجمہ: "اور مہر و محبت کے ساتھ ان کے آگے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو اور دعا کرو پروردگارا! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا تھا۔"؛ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ (17- 90:18) ترجمہ: "اور شفقت کرنے کی تلقین کی۔ (جو اس گھاٹی میں قدم رکھتے ہیں) یہی لوگ دائیں والے ہیں" یا پھر دسیوں مقامات پر فرمایا: ـ ـ ـ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (2:173) ترجمہ: "بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔" وغیرہ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دین اسلام میں رحمت خدا کی کس قدر فراوان ہے جو کہ خداوند متعال کے وسیع کرم اور مہربانیوں کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد جب احادیث پیامبر (ص) اور اقوال ائمہؑ کا مطالعہ کریں تو وہاں پر بھی قرآن مجید کی طرح متعدد مقامات پر رحمت خدا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر آپ (ص) نے فرمایا: اللہ تعالی کی رحمتوں کا ایک فیصد حصہ اس پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور باقی ننانوے فیصد حصہ اگلی دنیا (آخرت) میں نظر آئے گا یا یہ کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا، "اے خدا کے نبی، خدا سے مشرکین کو ختم کرنے کی دعا کریں۔ اس پر آپ (ص) نے فرمایا: مجھے رحم کے لئے پیدا کیا گیا، انتقام کے لئے نہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ راستہ میں کانٹے بچھانے والوں کے راستوں کو صاف کیا، پتھر مارنے والوں کو سینے سے لگایا اور گالیاں دینے والوں کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے کردار سے ثابت کیا کہ دین اسلام میں رحمت خدا غضب الہی پر غالب ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے انتقام و قصاص لینے کی بجائے معاف کر دینا اللہ اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے۔ اس کے بعد فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔[3] علماء اور دانشوروں کے نزدیک اس حدیث کے بیان کا مقصد اسلامی معاشرے میں عفو و در گزر اور بخشش و مہربانی کو رواج دینا ہے کہ جس کی بنیاد پر ایک آئیڈیل اور بہترین معاشرہ استوار کیا جا سکے۔ یوں پیشوایان اسلام ہمیشہ خلق خدا کو اللہ تعالی کی رحمت سے امیدوار رہنے اور مایوسی سے روکتے ہوئے اس بات کی تاکید کرتے رہے ہیں کہ دین اسلام کی تعلیمات کے پیش نظر شرک کے بعد دوسرا بڑا گناہ اللہ تعالی کی رحمت سے نا امیدی[4] ہے۔ لہٰذا مایوسی اور ناامیدی سے روکنا اور رحمت الہٰی کی امید دلوانا اسلامی پیشواؤں اور اولیاء اللہ کا تاریخ اسلام میں خاصہ رہا ہے۔

قرآن کریم میں نہ فقط مومنوں اور نیکوکاروں سے رحمت الہی کا وعدہ کیا گیا ہے بلکہ نہایت ہی نرم اور ملائم انداز میں گناہ گاروں کو بھی اللہ تعالی کی رحمت کی امید دلوائی گئی ہے اور انہیں اللہ سبحانہ و تعالی کی رحمت سے مایوس ہونے سے روکا گیا ہے فرمایا:

قُلْ يا عِبادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلى أَنْفُسِهِمْ لا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ (39:539)

ترجمہ: "کہد یجئے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، یقیناً بڑا معاف کرنے والا، مہربان ہے۔"

بلکہ آگے چل کر یہ بھی فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالی کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ وہ اللہ تعالی سے امید رکھنے والوں، اس کی طرف لوٹ آنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو فقط معاف ہی نہیں کرے گا بلکہ ان کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا، فرمایا:

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔ (25:70)

ترجمہ: "مگر جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیا تو اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے اور اللہ تو بڑا غفور و رحیم ہے۔"

یوں اسلامی تعلیمات کے مطابق رحمٰن و رحیم خدا نے انسانوں کو نہایت ہی نرم اور انتہائی امید افزا انداز کے ساتھ اپنی رحمت کی طرف مدعو کیا ہے۔ اور یہ بات دین اسلام میں رحمت الہی کے تصور کی آئینہ دار ہے۔

موضوع کی اس قدر اہمیت کے سبب اس کے ضمن میں عموماً مختلف نوعیت کے سوالات اٹھائے جاتے ہیں کہ جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں: رحمت کے کیا معانی ہیں؟ اللہ تعالی کی رحمت کیا ہے؟ کس وقت اور کیسے میسر ہے؟ اس کے شامل حال ہونے کی علامات اور نشانیاں کیا ہیں؟ اور کون ہیں وہ جو رحمت خدا سے سرشار یا اس سے دور ہیں؟ البتہ اسی موضوع کے ضمن میں بعض متعصب عیسائیوں کی جانب سے یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا خدا رحمت والا نہیں بلکہ عموماً ناراض، بہت انتقامی، غضب والا اور سزا دینے ولا ہے جو کہ گناہ گاروں کو مختلف طریقوں سے دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور مرنے کے بعد بھی انہیں جہنم کی آگ میں جلائے گا جبکہ اس کے برعکس عیسائیوں کا خدا بہت رحم والا اور وسعت قلب و نظر کا حامل ہے، لہٰذا ان کے بقول اس مکتب کی اتباع قرین قیاس ہے کہ جس کا خدا اپنی مخلوق پر شفیق ہے[5] وغیرہ۔ اس اعتراض سے آگاہی کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حقیقتاً مسلمانوں کا خدا فقط عذاب ہی دیتا ہے جبکہ عیسائیوں کا خدا رحیم ہے؟ وغیرہ۔ یہ کچھ ایسے سوالات اور ابہامات ہیں کہ جن کا علمی، تحقیقی اور روشمند جواب، علمی حلقوں کی ضرورت ہے کہ جسے پورا کرنے کی اس تحریر میں کوشش کی گئی ہے۔

لفظ رحمت کے معانی

رحمت: عربی زبان کا لفظ ہے کہ جس کے اصلی کلمات "رح م" ہیں۔ یہ لفظ مختلف مقامات پر مختلف صورتوں میں استعمال ہوتا ہے کہ جن میں رحم، رحمٰن، رحیم، رحموت، رحمی اور رحمۃً وغیرہ شامل ہیں۔ اس لفظ کے معانی، مہربانی، احسان، بارش، برکت، برکھا، درود، سلام، شفقت، عفو، عنایت، فضل، مرحمت، نوازش، فیض، عطیہ، سخاوت، فیاضی، خدا کی طرف سے برکت، ایک چھوٹی دعا، اور کرم [6] وغیرہ کے ہیں کہ جس کے لئے فارسی زبان میں دلسوزی، مہربانی یا پھر ایسی بخشش و عطا کہ جو صرف اللہ تعالی سے مربوط ہو [7] کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور انگلش میں "Mercy, God Mercy, Grace, Bounty, Divine Favors," [8] وغیرہ اس لفظ کے مترادف بیان ہوئے ہیں۔ لفظ رحمت کے مذکورہ بالا لفظی معانی کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ رحمت، خداوند متعال کی ایک صفت ہے اور اس سے مراد اللہ تعالی کا وہ لطف و کرم ہے کہ جو ہر وقت کائنات کی ہر شئے اور خصوصاً بنی آدم کے شامل حال ہے [9] کہ جن میں مسلم و کافر، مشرک و ملحد، امیر و غریب، گورے و کالے، عرب و عجم، نیکو کار اور گناہ گار وغیرہ سب شامل ہیں، یا پھر یہ کہ رحمت نرم دل کی اس کیفیت کا نام ہے کہ جس سے کسی پر احسان کیا جاتا ہے، البتہ بعض مرتبہ احسان، دل کی نرمی کے بغیر بھی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں پر بھی اللہ تعالی کی رحمتوں کا اس کے بندوں کے شامل حال ہونے کا تذکرہ ہوا ہے، اس سے اگرچہ مراد احسان، فضل و کرم وغیرہ ہے لیکن کیفیت قلبی کا ذکر نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کی مقدس ذات دل کی بدلتی ہوئی حالتوں اور کیفیتوں سے ماورا ہے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ انسانوں کے لئے رحمت ان کے نرم دل ہو کر احسان کرنے کا نام ہو جبکہ اللہ تعالی کے لئے حکمت کے ساتھ احسان ہو۔

یہاں پر اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری کہ اگرچہ لفظ "رحم" (بفتح اوّل و کسر دوّم) کے ساتھ رحم زن یا جنین کے رشد کے مقام کو کہتے ہیں کہ جس کی جمع ارحام [10] ہے لیکن اس تحریر میں لفظ "رحم" ان معنوں میں نہیں لیا گیا ہے بلکہ اس تحریر میں رحم (بروزن قفل) لیا گیا ہے کہ جس کے معنا مہربانی وغیرہ کے ہیں۔ [11]

اللہ تعالی کی رحمت کیا ہے؟:

اس کائنات کی خلقت درحقیقت رحمت خدا کا ایک شاہکار ہے کہ جس کے حُسن و جمال اور نظم و ضبط میں رحمت الٰہی مشہود و ملموس ہے لہٰذا کائنات کا حُسن اور نظم اللہ تعالی کی رحمت کا اس جہان پر سایہ ہونے کی زندہ دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں دنیا و آخرت کی ہر نعمت کو اللہ تعالی کی رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے [12] کہ جن میں سے چند ایک کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے:

1۔- **بہشت:** «وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَتِ اللَّهِ»(3:107)؛

ترجمہ: " اور جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔"

2- **قرآن** «وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ» (7:52)

ترجمہ: "اور ہم ان کے پاس یقیناً ایک کتاب لاچکے ہیں جسے ہم نے ازروئے علم واضح بنایا ہے جو ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔"

3- **تورات** «وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً» (11:17)؛

ترجمہ: "اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (بھی دلیل ہو جو) راہنما اور رحمت بن کر آئی ہو؟"

4- **نبوّت** «يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً» (11:63)

ترجمہ: : "صالح نے کہا: اے میری قوم! یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنی رحمت سے مجھے نوازا ہے"

5- **پیغمبر** «وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا» (19:21)؛

ترجمہ: "اور یہ اس لئے ہے کہ ہم اس لڑکے کو لوگوں کے لئے نشانی قرار دیں اور ہماری طرف سے رحمت ثابت ہو اور یہ کام طے شدہ ہے۔"

«وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ» (21:107)؛

ترجمہ : "اور (اے رسول) ہم نے آپ کو بس عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

6- **بارش**: «فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا» (30:50)

ترجمہ: "اللہ کی رحمت کے اثرات کا نظارہ کرو کہ وہ زمین کو کس طرح زندہ کر دیتا ہے اس کے مردہ ہونے کے بعد۔"

یوں اللہ تعالی نے رحمت کو اپنے لئے ضروری کر لیا ہے لہٰذا کی رحمت تمام موجودات کو شامل ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی تمام مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے رحیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

«كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ» (6:54)

ترجمہ: "تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے۔"

یا یہ کہ فرمایا: « رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا» (40:7)

اور اسی طرح

«وَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ»(21:83،7:151)؛ترجمہ: "اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔" «وَ هُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ»(12:64،92) ترجمہ: "اور وہ سب سے بہترین رحم کرنے والا ہے۔" وغیرہ۔ دیلمی ابو جعفرؑ سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے محمد (ص) وآل محمدؐ اور اسی طرح قرآن کریم اللہ تعالی کی بزرگ ترین رحمتیں ہیں۔[13] کہ جس کا اشارہ قرآن کریم اس طرح سے ہوا ہے:

وَ ما أَرْسَلْناكَ إِلاَّ رَحْمَةً لِلْعالَمِينَ(21:107) ترجمہ: "اور (اے رسول) ہم نے آپ کو بس عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

رحمت خدا کے ضمن میں اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالی کی رحمت دو طرح کی ہے کہ جن میں سے ایک رحمت عام اور دوسری خاص ہے[14]۔ رحمت عام تمام موجودات کے شامل حال ہے کہ جیسے خلق کرنا اور رزق دینا، صحت و سلامتی دینا اور اولاد دینا وغیرہ لہٰذا متعدد مفسرین کے نزدیک اسی رحمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: «وَ رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ» یا پھر «رَبَّنا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَ عِلْماً» وغیرہ۔ جبکہ رحمت خاص وہ ہے جو مومنین کے لئے مخصوص ہے اور دوسرا کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہے۔ جیسے: «أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ»(2:157)،ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود ہیں اور رحمت بھی۔" یا پھر «وَ اللهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشاءُ»(2:105) ترجمہ: "حالانکہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

اور اسی طرح «وَ كانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيماً»(33:43) ترجمہ: "اور وہ مومنوں کے بارے میں بڑا مہربان ہے۔" حضرت علیؑ نے دعای کمیل میں رحمت خدا کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا: خدایا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر کہ جس نے کائنات کی ہر شئے کو اپنے قبضہ قدرت میں لیا ہوا ہے[15]۔ پس یہ اللہ تعالی کی رحمت ہی ہے کہ جس کے سبب کائنات کی ہر چیز کا وجود باقی ہے ورنہ ممکن ہی نہیں کہ بغیر رحمت خدا کے کوئی شے اپنا وجود برقرار رکھ سکے اور اس طرح آیات و روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ رحمت عمومی خدا کائنات کی ہر شے کے شامل حال ہے۔

اسلام اور رحمت خدا

اگرچہ دین اسلام میں رحمت خدا ہمیشہ غضب الٰہی پر غالب نظر آتی ہے لیکن تاریخ اسلام کے کچھ مسلم اسکالرز نے اپنے قلم و کلام سے غضب الٰہی کو رحمت خدا پر فوقیت دیتے ہوئے مختلف نظریات پیش کئے کہ جن سے آشنائی کے بعد یوں لگتا ہے کہ خداوند متعال کا غصب اس کی رحمت پر حاوی ہے۔ حسن بصری عموماً کہا کرتے تھے: تعجب اس

بات پر ہے کہ یہ لوگ (اہل دنیا) اس قدر گناہ اور اللہ تعالی کی معصیت و نافرمانی کرنے کے بعد کیسے بخشے جائیں گے۔[16] شاید ان کے بیان کا مقصد عذاب الہی سے ڈرا کر انسانیت کو اطاعت پروردگار پر لانا ہو لیکن ظاہر میں انہوں نے رحمت خدا پر غضب الہی کو فوقیت و برتری دی ہے اسی لئے انہیں مخلوق کے گناہوں کو دیکھ کر ان کے بخشے جانے پر تعجب ہوا کرتا تھا۔ البتہ اس فکر و نظر کے حامل افراد اسلام کی پوری تاریخ میں رہے ہیں اور آج تک موجود ہیں کہ جو دانستہ یا غیر دانستہ ایسے افکار کے ذریعے اغیار کو دین مبین اسلام کی نورانی پیشانی پر داغ لگانے کا موقع دیتے رہتے ہیں۔اس لئے بعید نہیں کہ کچھ ایسے دانشوروں کے افکار و نظریات کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض متعصب عیسائی پادریوں نے یہ کہا ہو کہ مسلمانوں کا خدا ہمیشہ غضبناک، ناراض، عضیلا، انتقام لینے والا اور سخت ترین عذاب دینے والا ہے جبکہ عیسائیوں کا خدا اس کے برعکس محبت کرنے والا رحیم و کریم ہے۔

جب مکتب اہل بیت نبوتؑ کا مطالعہ کریں تو اللہ سبحانہ و تعالی کا کرم اس کے غضب پر حاوی نظر آتا ہے جیسا کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) رسول خداﷺ سے ایک حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالی کو اس بندے پر تعجب ہوتا ہے کہ جو خداوند متعال کی اس قدر وسیع رحمتوں کے ہوتے ہوئے اپنی بخشش سے مایوس ہو جاتا ہے۔[17] یا پھر یہ کہ حسن بصری کا یہی شعار (سلوگن) جب امام علی زین العابدینؑ کے ہاں پہنچا تو آپؑ نے فرمایا: تعجب اس بات پر نہیں کہ گناہ گار کیسے بخشے جائیں گے بلکہ تعجب اس بات پر ہے کہ لوگ اللہ تعالی کی اس قدر وسیع رحمت کے باوجود کس طرح عذاب الہی میں گرفتار ہوں گے؟[18] اس لئے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔ لہٰذا دین اسلام کی تعلیمات کے پیش نظر ایسے فقہاء اور علماء سے بیزاری اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو لوگوں کو رحمت خدا سے مایوس کرتے ہوں۔[19] جب آپؑ کا زہری کے پاس سے گزر ہوا تو وہ دیوانوں اور پاگلوں کی طرح ہنستا ہوا ادھر ادھر پھر رہا تھا، آپؑ نے اس کے اس عمل کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس نے ایک شخص کو قتل کیا ہے اور اب رحمت خدا سے ناامید ہو کر پاگل ہو گیا ہے۔ جس پر آپؑ نے فرمایا: اللہ کی قسم! خداوند متعال کی رحمت سے ناامید ہونا، قتل کرنے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔[20] تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ فقط امام سجادؑ نے رحمت الہی کے بارے میں اس قدر حسن ظن رکھنے اور اس سے امیدوار رہنے کی بات نہیں کی بلکہ تمام آئمہ معصومینؑ کے اقوال سے یہ نقطہ نظر ثابت ہے اور انہوں نے رسول گرامی اسلام (ص) کی سیرت طیبہ سے اسے دریافت کیا ہے۔ لہٰذا حقیقت یہی ہے کہ امام زین العابدینؑ نے بھی یہ نقطہ نظر اپنے آباء و اجداد سے ارث میں پایا تھا کہ جس کی ایک مثال دعای کمیل کے ذیل میں بیان ہوئی اور دوسری مناجات ماہ رمضان میں قابل مشاہدہ ہے کہ جہاں پر حضرت علیؑ فرماتے ہیں: میرے مولا اے میرے مولا آپ بخشنے والے ہیں اور میں بخشش کا طلبگار، لہٰذا بخشنے والے کے سوا کون ہے جو بخشش کے طلبگار کو بخش دے۔[21]

جب دین اسلام کا نزدیک سے مطالعہ کریں تو اس کے ہر شعبہ میں رحمت خدا، غضب الٰہی پر حاوی نظر آئے آتی ہے، چاہے وہ دین اسلام کا لیگل سسٹم (League) ہو یا ایتھیکل سسٹم (Ethical System) ہو، مثال کے طور پر آپ دین اسلام کے لیگل سسٹم کو دیکھ لیجئے کہ جب اس کے کریمنل لاء پر توجہ کریں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ فقہ اسلامی میں قصاص لینے پر بخش دینے کو بہت زیادہ اہمیت و فضیلت دی گئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَ كَتَبْنا عَلَيْهِمْ فيها أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَ الْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوحَ قِصاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَ مَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِما أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ (5:45)

ترجمہ: "اور ہم نے توریت میں ان پر (یہ قانون) لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت ہیں اور زخموں کا بدلہ (ان کے برابر) لیا جائے، پھر جو قصاص کو معاف کردے تو یہ اس کے لئے (گناہوں کا) کفارہ شمار ہوگا اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ ظالم ہیں۔

دوسری جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْأُنْثى بِالْأُنْثى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخيهِ شَيْءٌ فَاتِّباعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَ أَداءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسانٍ ذٰلِكَ تَخْفيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ عَذابٌ أَليمٌ۔

ترجمہ: "ایمان والو! تمہارے اوپر مقتولین کے بارے میں قصاص لکھ دیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ اب اگر کسی کو مقتول کے وارث کی طرف سے معافی مل جائے تو نیکی کا اتباع کرے اور احسان کے ساتھ اس کے حق کو ادا کر دے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں تخفیف اور رحمت ہے لیکن اب جو شخص زیادتی کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب بھی ہے۔"

مذکورہ بالا آیات میں اگرچہ قصاص کی تاکید کی گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ فرمایا گیا کہ معاف کر دینا اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ عمل کیونکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالی معاف کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ رسول خدا (ص) کے چچا حضرت حمزہ کی شہادت کے کئی سال بعد جب ان کا قاتل رسول خدا (ص) کے پاس آیا تو آپ (ص) نے اس کو معاف کر دیا۔ یہ شخص آپ (ص) کے پاس آیا تو آپ (ص) نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا میں وہی وحشی ہوں جس نے آپ کے چچا حضرت حمزہ کو جنگ احد میں قتل کیا تھا آپ (ص) نے اسے معاف کر دیا۔ یا پھر فتح مکہ کے موقع پر جب اسلام اور مسلمین، ان کفار اور مشرکین مکہ پر غالب آچکے تھے

کہ جنھوں نے مسلمانوں کو اذیتیں پہچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، تو فتح حاصل کرنے کے بعد آپ (ص) نے جس طرح سے عام معافی کا اعلان کیا وہ آج تک تاریخ بشر میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس لئے ان متعصب عیسائی اسپیکرز سے یہ کہا جائے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ دین اسلام غصے، غضب اور انتقامی دین ہے اور عیسایت الفت و محبت کا، کہ یہ تاریخی حقایق اور مذکورہ بالا آیات و روایات ہیں کہ جن کو دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ دین اسلام میں رحمت خدا، الفت و محبت اور عفو و بخشش کس طرح شامل اور کس قدر عفو در گزر کی تاکید کی گئی ہے۔ دین اسلام میں خدا کی رحمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابلیس ملعون اربوں کھربوں انسانوں کو گمراہی، گناہ اور اللہ تعالیٰ کی معصیت پر لگانے کے باوجود بھی قیامت کے دن اپنی بخشش کی امید رکھتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے آگاہ ہے۔ [22] لہٰذا اس طرح کے بے شمار واقعات، آیات اور روایات دین اسلام کے، دین رحمت ہونے کی واضح دلیل ہیں۔ لیکن کیونکہ عموماً انسانوں کی طرف سے عفو و در گزر محدود ہوتا ہے اور وہ معاف کرنے کی بجائے قصاص لینے کو پسند کرتے ہیں اس لئے ہمیں ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں کا خدا بھی انتقام لینے والا ہے اور اس کے بندے بھی اسی سنت الہی کو اختیار کئے ہوئے ہیں جبکہ اس کے برعکس اللہ تعالی کی رحمت بشر کے فکر و نظر میں آنے والی نہیں کیونکہ وہ بے انتہا و بے مثال ہے۔ پس مذکورہ بالا آیات و روایات کی روشنی میں اسی نقطہ نظر کو دین اسلام کی اصلی روح کہا گیا ہے کہ اسلام کی نظر میں رحمت خدا غضب الہی پر غالب ہے۔

رحمت خدا کیسے میسر ہے؟

ویسے تو کائنات کی ہر چیز اور خصوصاً حضرت انسان کا وجود رحمت خدا کے میسر اور شامل حال ہونے کی ایک زندہ دلیل ہے اور وہ اس دنیا میں اللہ تعالی کی بے شمار نعمتوں میں غوطہ ور اور ہر آن ان سے مستفیذ ہو رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بے حساب نعمتیں اس کی ذات نے اپنے رحمٰن ہونے کے سبب ہر کسی کو بغیر مانگے عطا کی ہیں۔ امام علی بن حسینؑ نے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے احسانات، اس کی رحمتوں اور مہربانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحیفہ سجادیہ میں فرماتے ہی: خدایا اگر میری عمر قیامت تک لمبی ہو جائے اور میں اپنی پوری زندگی میں اپنے علم و معرفت کے پیش نظر مسلسل تجھ سے مانگتا رہوں، تو جو کچھ میں تا صبح قیامت تجھ سے مانگ سکتا، اس سے کہیں زیادہ تیری ذات نے ہمیں بغیر مانگے پہلے ہی سے عطا کر دیا ہے۔ لہٰذا رحمت عمومی خدا ہر وقت ہر شخص کے شامل حال ہے۔

البتہ کچھ رحمتیں ایسی بھی ہیں کہ جنہیں رحمت خاص خدا کہا جاتا ہے کہ جن کا ذکر مذکورہ بالا سطور میں کیا گیا ہے، لہٰذا ان رحمتوں کے حصول کو انسان کی کوشش اور کاوش کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے تاکہ نظام طبیعت کا حسن جو کہ کوشش اور کاوش میں پنہاں ہے برقرار رہے اور انسان اپنی محنت کے ذریعے اپنی خواہشات کے حصول یا مطلوبہ اہداف

تک رسائی حاصل کر سکے کہ جس کا نقشہ قرآن کریم نے اس طرح سے کھینچا ہے: وَ أَنْ لَیْسَ لِلْإِنْسانِ إِلاَّ ما سَعى،(53:39) ترجمہ: "اور یہ کہ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے۔" اس نص قرآنی کے ضمن میں ایک کلی قانون بتا دیا گیا ہے کہ جو نظام طبیعیت ہے کہ جس کو لبیک کہنے والا ہی مطلوبہ اہداف تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، اور اس میں مسلم و کافر مؤمن و مشرک سب کے لئے قانون مساوی ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوشش کرنے والا، محنت کرنے والا اور تگ و دو کرنے والا کافر، مشرک، ملحد اور زندیق ہی کیوں نہ ہو جب وہ نظام فطرت کے اس امر کو لبیک کہتے ہوئے کوشش میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالی اس کی محنت کا صلہ اسے ضرور دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی زبان کی معروف ضرب المثل میں اس مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے (جوینده یابنده است) یعنی تلاش کرنے والا ہی پانے والا ہے، چاہے وہ کسی بھی مذہب و مکتب یا رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہو۔

کوشش کرنے کے نتیجے میں جو چیز ہاتھ آتی ہے اس کے بارے میں سو فیصد یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رحمت خدا ہی ہے کیونکہ رحمت کے حصول کے لئے کوشش سے پہلے اس کا راستہ اور جہت مشخص کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے اور جب تک اس کا راستہ صحیح (احکام الہی کی حدود کے اندر) نہیں ہوگا اس وقت تک اس کے نتائج رحمت کی صورت میں نمودار نہیں ہو پاتے لیکن محنت کا پھل ضرور مل جاتا ہے۔ کئی مرتبہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض افراد کو ان کی کوشش کے بدلے بعض دفعہ رحمت کی بجائے عذاب و عقاب ملتا ہے کیونکہ انہوں نے غلط اور ناجائز کام کے لئے کوشش کی ہوتی ہے یعنی کوئی شخص کوشش تو کرتا ہے لیکن تعمیر کی بجائے تخریب کے لئے کوشش کرتا ہے تو ایسے شخص کے لئے یہ ہے کہ برائی اور تخریب کا انجام برا ہوتا ہے اس لئے ناجائز کاموں کے لئے کوشش کرنے والا بھی آخر ایک دن اپنے مطلوبہ اہداف تک رسائی حاصل کر لیتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی یہ کامیابی اس کے لئے رحمت خدا ہی ہے۔ مثال کے طور پر یزید ابن معاویہ نے اقتدار کی ہوس، بنی ہاشم سے بدلہ لینے اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے اپنے راستے سے تمام روکاٹیں دور کرنے کی کوشش کی اور ظاہر میں اس نے اپنے مخالفین یعنی خاندان رسول (ص) اور سید الشہداء حضرت حسین ابن علیؑ اور ان کے اصحاب کو کربلا میں شہید کروا کر کامیابی حاصل کر بھی لی، لیکن آج تک کوئی محدث، مفکر، دانشور، عالم اور مورخ یہ بات کہنے کو تیار نہیں کہ اس کی یہ کامیابی اس کے لئے رحمت تھی، حالانکہ اس نے ظاہراً جنگ کربلا میں اپنے دشمنوں کو شہید کروا کر اور ان کے اہل و عیال کو اسیر بنا کر کامیابی حاصل کی تھی۔

اس طرح سے کوشش کے بدلے میں ہاتھ آنے والی ہر کامیابی رحمت خدا نہیں ہوتی بلکہ رحمت خدا ایک ایسا احسان ہے کہ جو انسان کے لئے ہر دو جہان میں خیر سے مربوط ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص کوشش کرکے شریر بن کر شر پھیلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو یہ رحمت خدا کے سبب نہیں بلکہ اس کی اپنی کوشش کے بدلے میں ہے اور یہی

فلسفہ ہے اسلام میں عذاب و عقاب کا۔ اس لئے رحمت کے حصول کے کوشش سے پہلے راستے کا تعین ضروری ہے اور یہ خود انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا، (76:3) ترجمہ: "ہم نے اسے راستے کی ہدایت کردی خواہ شکر گزار بنے اور خواہ ناشکرا۔" اس طرح سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوشش کے نتیجے میں ملنے والی ہر انسانی خواہش رحمت خاص خدا نہیں بلکہ رحمت وہ ہے جو خالصتاً اللہ تعالی کی رضا کے حصول کے لئے ہو اور احسان، بھلائی اور کرم پر مبنی ہو۔

آیات قرآنی احادیث نبوی (ص) اور روایات معصومینؑ میں اللہ تعالی کی رحمت خاص کے حصول کے اگرچہ کافی زیادہ طریقے بتائے گئے ہیں کہ جن کا ذکر کتب اربعہ اور صحاح ستہ کے علاوہ فریقین کی متعدد کتب میں ہوا ہے، لیکن یہاں نمونہ کے طور پر چند ایک مصادیق کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے کہ جن میں سے ایک راستہ اللہ تعالی سے دعا کرنا ہے: روایت میں ہے کہ: جب بھی خداوند متعال اپنے بندے کو دعا کی توفیق دیتا ہے، تو جلد ہی اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جو کوئی بھی دعا کرتا ہے وہ نابود نہیں ہوتا، حتی کہ جو شخص اللہ تعالی سے کچھ نہیں مانگتا خداوند متعالی اس سے ناراض ہو جاتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ بندہ اپنے مولا و داتا سے طلب کرے اگرچہ جوتے کا ایک تسمہ ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا فرمایا کہ مؤمن کا ہتھیار دعا ہے اور دعا بہترین عبادت اور عبادتوں کی روح ہے۔[23] البتہ دعا کی قبولیت کی بھی کچھ شرائط ہیں کہ جن میں سے ایک یہ کہ دعا کرنے والے کا دل لہو و لعب میں مشغول نہ ہو اور انسان کی خوراک اور لباس مال حلال سے خریدا گیا ہو[24] کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

«إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ» (5:27) ترجمہ: "اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے قبول کرتا ہے۔"

روایات میں ہے کہ حصول علم اور علم کی تلاش سے بھی رحمت خدا انسان کے شامل حال ہوتی ہے۔ جیسا کہ جابر بن یزید جعفی امام محمد باقر (ع) سے روایت کرتے ہیں کہ: کوئی بندہ ایسا نہیں کہ جو دن یا رات کے وقت علم کی تلاش کرتا ہو اور رحمت خدا اس کے شامل حال نہ ہو۔ پس طالب علم کو فرشتے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے اللہ سبحانہ و تعالی کے زوار، خدا آپ کو سلامت رکھے! اور بہشت میں، وہ اسی راہ راہ پر چلتا رہے گا کہ جسے اس نے دنیا میں طلب علم کے لئے انتخاب کیا تھا۔[25] اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم ہمیشہ رحمت خدا کے سایہ میں ہے۔ اس کے علاوہ جن لوگوں کے لئے رسول خدا نے رحمت خدا کی دعا کی ہے ان میں نیک اولاد، نیک والدین، نیک ہمسایہ اور نیک سلطان کی مدد کرنے والے ہیں۔[26] اس کے علاوہ ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن کے لئے بھی رحمت کہا گیا۔ اسماعیل ابن عمار صیرفی کہتے ہیں کہ: میں نے اپنے چھٹے امامؑ سے عرض کیا: قربان جاؤں آپ پر کیا ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے رحمت ہے؟ فرمایا: ہاں، میں نے عرض کی، ایسا کیسے ممکن ہے؟ فرمایا: ہر مومن ضرورت کے وقت اپنے مؤمن بھائی کے پاس آتا ہے، یہ اس کے لئے اللہ سبحانہ و تعالی

کی رحمت ہے کہ اس نے اس بات کی زمینہ سازی کی کہ ایک مؤمن اپنی حاجت لے کر اس کے پاس آیا، اگر اس نے اس کی ضرورت پوری کر دی تو اس نے رحمت خدا کو قبول کر لیا کہ اللہ تعالی قیامت تک اپنے پاس محفوظ رکھے گا اور اگر حاجت رد کر دی تو در حقیقت اس نے رحمت خدا کو اپنے ہاں سے واپس لوٹا دیا۔[27]

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ ایک حقیقت کہ جب مؤمنین مشکل کے وقت ایک دوسرے کے کام آتے ہیں تو ان کے درمیان اخوت و برادری پر مشتمل روابط استوار ہوتے ہیں کہ جو ان کے مابین اتفاق و اتحاد کا سبب بنتے ہیں۔ یہ اتحاد رحمتوں کے حصول اور اللہ تعالی فضل و کرم کے نزول کا سبب بنتا ہے۔ مومنین کے باہمی روابط اور ان کی ایک دوسرے کے حق میں خیر خواہی ہی وہ واحد راستہ ہے کہ جس سے کائنات کی مشینری احسن انداز میں چلتی اور ترقی و پیشرفت کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔اس حقیقت کی طرف قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اشارہ ہوا ہے کہ جن میں سے ایک دو نمونے مندرجہ ذیل ہیں: وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ(48:29) ترجمہ: "اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں۔" کہ رسول خدا (ص) کے ساتھ جو مومنین ہیں وہ کفار کے مقابلے میں سخت جبکہ آپس میں رحیمانہ روابط اور تعلقات کے حامل ہیں۔ اسی طرح دوسرے مقام پر آیا ہے: ۔۔۔ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ(90:17،18) ترجمہ: "پھر یہ شخص ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کرنے کی نصیحت کی اور شفقت کرنے کی تلقین کی۔ (جو اس گھاٹی میں قدم رکھتے ہیں) یہی لوگ داہیں والے ہیں۔"

مؤمنین ایک دوسرے کو رحم اور احسان پر مبنی روابط برقرار کرنے کی نصیحت کرتے ہیں اور یہی لوگ اصحاب یمین ہیں کہ جو فلاح پانے والے ہیں۔ اگرچہ "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" اپنے اندر ایک اوقیانوس کی وسعت سے زیادہ مفاہیم رکھتا ہے اور بذات خود گویا ہے لیکن بات کی وضاحت کے لئے اتنا اشارہ کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بہشت برین اسی حکم خدا اور تاکید قرآنی میں پنہان ہے کہ جس کی بنیاد میں "رحمت خاص خدا" ہے۔اگر کسی زمانہ میں یہ دنیا بہشت نما بنی تھی تو اس کی اساس میں "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" تھا اور اگر آگے چل کر پھر کبھی بنے گی تو بھی "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" ہی کی بنیاد پر۔ لہٰذا یہ وہ اختیاری عمل ہے کہ جو اللہ تعالی نے اپنی رحمت سے بندوں کے اختیار میں دے دیا ہے کہ جب وہ چاہیں اس سے استفادہ کرتے ہوئے رحمت خدا سے کمال کی حد تک لطف اندوز ہوں۔ کیونکہ انسانی اور خصوصاً اسلامی معاشرے کو وحدت اور اتحاد یا پھر رحمت خاص خدا کے بغیر آئیڈیل اور پسندیدہ معاشرہ نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ رسول خدا (ص) اور دیگر تمام آئمہ و معصومینؑ نے معاشرہ میں اتحاد و اخوت کو عام کرنے اور رحمت خاص خدا کے حصول کے لئے جس قدر تاکید فرمائی ہے اس کا اندازہ رسول خدا (ص) کی اس حدیث سے لگایا

جاسکتا ہے: کہ پیامبر اسلام (ص) نے فرمایا: "من لا یرحم لایرحم" یعنی اگر کوئی اپنے لئے رحمت کا طلبگار ہے کہ یقیناً ہر کوئی اس کا طلبگار ہے تو اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرے تاکہ اسلامی معاشرہ میں اتحاد و اخوت کو فروغ ملے اور اسلامی معاشرہ رحمت خاص خدا کی بنیاد پر استوار ہو سکے۔

اس کے علاوہ رحمت خاص خدا کے حصول کا ایک اور ذریعہ اولاد کا اپنے والدین کے ساتھ ایک تو خود رحمت و احسان پر مبنی سلوک ہے کہ جس کا اشارہ قرآن کریم میں یوں ہوا ہے: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ(17:24) ترجمہ: "اور مہر و محبت کے ساتھ ان کے آگے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو اور دعا کرو پروردگارا! ان پر رحم فرما۔" اور دوسرا ان کے حق میں اللہ تعالی سے رحمت کی دعا بھی کرنا ہے کہ جس کے لئے ارشاد ہوتا ہے: وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً (17:24)۔ترجمہ: "پروردگارا! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا تھا۔" اور یہ عمل اولاد کے فرائض میں سے ہے۔ اگرچہ اس حکم خداوندی کی انجام دہی سے اولاد کا والدین پر کوئی احسان نہیں، بلکہ ان کے فرائض ادائیگی ہے لیکن اس کی جزا کے طور پر اللہ تعالی اپنی خاص رحمتیں ایسی اولاد پر نازل فرماتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں ماں کے ساتھ مہربانی کی اور بھی زیادہ تاکید کی گئی ہے، اسلام کہتا ہے جب تم اپنی ماں کے شکم میں نو ماہ تک تھے تو تمہیں معلوم ہے کہ کس طرح اس نے تمہارے ساتھ بھلائی کی اور تم پر رحم کیا؟ اس نے تمیں نو ماہ اپنا خون پلایا، اس نے تمہارے والد اور بہن بھائیوں کی خدمت کی وغیرہ وغیرہ، یہی وجہ ہے کہ چوتھے امام حضرت علی ابن الحسینؑ فرماتے ہیں: اے اللہ مجھے اپنی ماں کا اس طرح فرماں بردار بنادے کہ جیسے پیاسے انسان کے لئے میٹھا پانی عزیز ہو، مجھے اپنی والدہ کا ایسے فرمانبردار بنادے کہ جیسے نیند کے مارے کے لئے پرسکون نید عزیز ہو، و ۔۔۔، اس لئے کہ امامؑ نے اپنی والدہ ماجدہ کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ امامؑ کی ولادت کے چند دن بعد ان کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا اور اس طرح آپؑ کی فیلنگز تشنہ رہ گئی تھیں، لہٰذا قرآن اور احادیث مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ والدین کے ساتھ ایسا برتاؤ کروں کہ: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيماً،(17:23) ترجمہ: "تو انہیں اف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا بلکہ ان سے عزت و تکریم کے ساتھ بات کرنا۔"

والدین کے ساتھ رحمت پر مبنی سلوک کرو، اور یہ بھی حکم ہے کہ جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کے سامنے اف تک نہ کرو کیونکہ جب والدین جوان ہوتے ہیں تو عموماً اولاد ان کی بہت خدمت کرتی ہے لیکن جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لیا جاتا ہے۔

رسول خدا (ص) کے زمانے میں ایک ایسے جوان نے اسلام قبول کر لیا کہ جس کی ماں یہودیہ تھی، اس نے رسول خدا سے پوچھا کہ میری ماں یہودیہ ہے لہٰذا میں اس کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کروں آپ (ص) نے فرمایا: کہ ایسا برتاؤ کرو کہ جیسا تم نے پہلے کبھی نہ کیا ہو، جب اس نے رسولخدا (ص) کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ماں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو اس پر اس کی ماں نے اس سے پوچھا کہ تم اس طرح کیوں اچھا برتاؤ کر رہے ہو تو اس نے جواب دیا کہ میرے اسلام کی تعلیمات میں ہے کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ مجھے بھی رسول اللہ کے پاس لے جاؤ تاکہ میں مسلمان ہو جاؤں اور اس دین رحمت و مہربانی میں داخل ہو جاؤں۔

اس کے برعکس جب والدین اپنی اولاد کے حق میں دعا کرتے ہیں تو ان پر بھی اللہ تعالی کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کی دعائیں اولاد کے حق میں جلدی قبول ہوتیں ہیں۔ روایت میں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کے بیٹے اپنے کئے پر نادم ہو کر حضرت یعقوبؑ کے پاس آئے تو عرض کی کہ اے بابا جان آپ ہمارے حق میں دعا کریں تاکہ اللہ تعالی ہماری وہ خطا معاف کر دے جو ہم نے یوسفؑ کے حق میں کی ہے۔ وہ سب جانتے تھے کہ حضرت یعقوبؑ نبی خدا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے والد بھی ہیں اور والد کی دعا اللہ تعالی رد نہیں کرتا اس پر حضرت یعقوبؑ نے فرمایا ٹھہر جاؤ میں ہنگام سحر تمہارے حق میں دعا کروں گا کیونکہ وہ وقت دعاؤں کی قبولیت کے لئے زیادہ موزوں ہے۔[28] اسی طرح شوہر جب اپنی بیویوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں یا بیویوں جب شوہروں سے بھلائی کرتی ہیں تو اللہ تعالی کی خاص رحمت ان کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ رسول خدا (ص) کی ایک حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ نیک اور عادل حاکم کا وجود بھی رعیت کے لئے اللہ تعالی کی رحمت ہے[29] لہٰذا مذکورہ بالا آیات قرآنی کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ رحمت خاص خدا کے حصول کا ایک سبب مؤمنین کا آپس میں اتحاد و اتفاق یا پھر ان کے بھلائی اور احسان پر مشتمل مخلص، شفیق، رحیم اور عزیز ترین ہستیوں کے ساتھ وہ روابط ہیں کہ جو کریم محسنین کی جانب سے دوسرے محسنین کے ساتھ روا رکھے جاتے ہیں جو کہ سراسر احسان پر مبنی اور قابل لمس ہوتے ہیں۔

تعلیمات اسلامی کی روشنی میں رحمت خاص خدا کے حصول کے کئی ایک اور بھی طریقے بیان کئے گئے ہیں کہ جن میں سے ایک صلہ رحمی ہے کہ جس کے بارے میں حضرت رسول خدا (ص) نے فرمایا: جس چیز کا اجر و ثواب سب سے پہلے انسان کو ملے گا وہ صلہ رحمی ہے۔[30] ایک اور مقام پر فرمایا: میں اپنی امت کے حاضرین اور غائبین اور میرے بعد قیامت تک آنے والوں کو اس بات کی تاکید کرتا ہوں کہ وہ صلہ رحمی کیا کریں، اگرچہ انہیں یہ کام انجام دینے کے لئے ایک سال کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے کیونکہ صلہ رحمی جزو دین ہے۔[31] یا پھر یہ کہ امام

صادقؑ نے فرمایا: صلہ رحمی مخلوق خدا کو نیک، دوستوں کو سخی، نفوس کو پاکیزہ، روزی میں اضافہ اور درازی عمر کا سبب ہے۔[32] اور یہی وہ انعامات ہے کہ جن کو ہر عام و خاص رحمت خدا سے تشبیہ دیتا ہے۔

ایک اور ذات کہ جسے خداوند متعال نے رحمت خاص کا مستحق قرار دیا ہے وہ خلق اللہ پر بے لوث احسان کرنے والا ہے۔ فرمایا کہ : إِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ لہٰذا مخلوق خدا پر رضائے الٰہی کے لئے احسان اللہ تعالی کی رحمتوں کے حصول کا سبب ہے اور رحمت کا حصول یا اس کا انتظار اس کے ذریعے آسان ہو جاتا ہے[33]۔اس مقام پر عموماً ایک سوال پوچھا جاتا ہے کہ احسان کیا ہے؟ اکثر مفسرین کے مطابق، احسان فقط دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ بھلائی کرنے والا بھی محسنین میں سے ہے اور اپنے ساتھ بہترین بھلائی یہ ہے کہ انسان خوف و رجا میں رہتے ہوئے میانہ روی سے کام لے کہ اسی اعتدال عملی اور عقیدتی کو اپنے ساتھ احسان کہا گیا ہے[34]۔ یہی وجہ ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹا اگر مؤمن کے دل کو چاک کیا جائے تو اس سے دو نور ملیں گے کہ جن میں سے ایک اللہ تعالی کے خوف کا نور اور دوسرا اس کی رحمت کی امید کا نور[35]۔ پس مذکورہ بالا بحث کے نتیجے میں کہا جا سکتا ہے کہ رحمت الٰہی احسان کے ذریعے میسر ہے کہ جن میں ایک احسان دوسروں پر جبکہ دوسرا احسان خود اپنے ساتھ ہے اور اپنے ساتھ احسان کی ایک صورت خوف و رجا میں رہنا ہے۔ خوف و رجا کے اس عقیدے کا بعض خاص اوقات میں اظہار کرنا رحمت الٰہی کے آسانی کے ساتھ حاصل کرنے کا سبب بنتا ہے۔

اس کے علاوہ روایات میں ہے کہ سال کے بارہ مہینوں ، ہفتے کے دنوں اور دن و رات میں بعض ایسے اوقات ہوتے ہیں کہ جب انسان طلب رحمت کی درخواست کرتا ہے تو اسے آسانی سے رحمت خاص خدا مل جاتی ہے۔اگرچہ رحمت خاص الٰہی کے چند ایک نمونے مذکورہ بالا سطور میں بیان کئے گئے ہیں لیکن رسول خدا (ص) کی اس حدیث مبارکہ کا بیان بھی اس مقام پر لطف سے خالی نہیں ہوگا کہ : حصول رحمت الٰہی کی کلید خوف خدا میں رونا اور گریہ کرنا ہے[36] اس کے علاوہ بعض فلاسفر جب اللہ تعالی کی رحمت کے بارے میں بات کرتے ہیں تو روز و شب کے بعض اوقات کو ابواب رحمت کا نام دیتے ہیں مثلاً: ماہ مبارک رمضان میں جو دعا مانگی جائے وہ اس مہینے کی برکت کے سبب جلدی سے قبول ہو جاتی ہے، اسی طرح لیلۃالقدر کی رات، پندرہ شعبان کی رات، شب جمعہ اور روز جمعہ کے بعض خاص اوقات میں [37]، عرفہ کے دن کربلا معلیٰ میں زیر گنبد امام حسینؑ جو دعا مانگی جائے وہ بہت جلد سے قبول ہو جاتی ہے، نماز شب، ہنگام سحر، طلوع و غروب آفتاب کے وقت، یا پھر یہ کہ جب اذان ہو رہی، یا جب نماز واجب ادا کر چکیں تو فوراً بعد سجدہ میں جا کر جو دعا مانگی جائے وہ جلدی قبول ہو جاتی ہے، یا یہ کہ جب بارش ہو رہی تو جو دعا مانگی جائے قبول ہو جائے گی، کیونکہ بارش کو بذات خود رحمت خدا سے تعبیر کیا گیا ہے

وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا یہ اوقات وہ ہیں کہ جن میں مانگی جانے والی دعا جلدی قبول ہو جاتی ہے اور اس طرح سے رحمت خاص الٰہی انسان کے شامل حال ہو جاتی ہے۔

البتہ جس طرح رحمت خاص خدا بعض اعمال کی انجام دہی کے ذریعے میسر ہوتی ہے اسی طرح سے بعض دیگر ناپسندیدہ اعمال کے بجالانے سے دور بھی ہو جاتی ہے۔ پیامبر اسلام (ص) نے فرمایا کہ جو شخص کسی مؤمن کو اگرچہ ایک لفظ کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، تکلیف پہنچائے گا، قیامت کے دن، وہ اس حالت میں محشور ہوگا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا: یہ شخص رحمت خدا سے دور ہے اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہوگی کہ جس نے خانہ کعبہ اور بیت المقدس کی بے حرمتی کرتے ہوئے اسے گرادیا ہو اور دس ہزار ملائکہ کو قتل کیا ہو۔[38] یا پھر یہ کہ جو لوگ خدا کے ساتھ کئے گئے وعدوں کا پاس نہیں رکھتے ایسے لوگوں کے لئے اللہ سبحانہ و تعالی نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ بھی رحمت خدا سے دور رہیں گے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ: الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَ أَيْمانِهِمْ ثَمَناً قَلِيلًا أُولٰئِكَ لا خَلاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ۔ (3:77) ترجمہ: "جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔" دیلمی، ارشاد القلوب میں لکھتا ہے کہ معصومینؑ سے روایت ہے کہ: رحمت خدا سے دور ہیں وہ لوگ جو فقیروں، والدین اور رشتہ داروں پر کوئی احسان کرکے جتلاتے ہیں اور جو دین خدا سے مرتد ہو جاتے ہیں۔[39] مذکورہ بالا آیات و روایات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ دین اسلام میں معیارات اور پیمانے بنادے گئے ہیں کہ جن پر پورا اترنے والا چاہے کسی ذات، قوم، قبیلے یا رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہوگا وہ رحمت خدا کا مستحق قرار پائے گا اور جو شخص احکام الٰہی کی مخالفت کرتے ہوئے ان معیارات پر پورا نہیں اترے گا وہ رحمت خدا سے دور ہوگا۔ کیونکہ اس دین میں پارٹی بازی اور ایسوسی ایشن نہیں بلکہ میرٹ ہے۔ اس طرح سے کوئی یہ نہیں کہ سکتا کہ مجھے رحمت خدا کا وعدہ کیا گیا اور جنت کی بشارت دے دی گئی ہے اب چاہے میں جو کچھ کرتا رہوں بخشش ہو چکی ہے۔ دین اسلام میں ایسا ہرگز نہیں، بلکہ قران کریم نے فرمایا: کہ جو کوئی آخری دم تک احکام الٰہی پر ثابت قدم رہا اور نیک اعمال کو اپنے ساتھ لایا وہ بخشش کا مستحق ہے ورنہ تاریخ اسلام میں ایسے بے شمار واقعات و موارد موجود ہیں کہ لوگ اپنی ابتدائی عمر میں مؤمن، پرہیزگار، عابد اور سخی وغیرہ تھے لیکن زندگی کے آخری حصے میں بے دین ہو کر مرے، ان میں سے بعضوں نے اپنے زمانے کے امام اور خلیفۃالمسلمین سے جنگ کی اور بعض نے آل رسول (ص) اور دیگر مسلمانوں کا بے جرم و بے خطا خون بہایا، ان کے گھر لوٹے اور ان کے خاندان کو قیدی بنا کر گلیوں بازاروں اور درباروں میں پھرایا کہ کربلا کا واقعہ اس کی ایک مثال ہے۔ اس طرح سے قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو آخری عمر تک دین پر ثابت قدم رہا وہ رحمت خدا کا مستحق قرار پائے گا ارشاد ربانی ہے:

مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها وَ مَنْ جاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلا يُجْزى إِلاَّ مِثْلَها وَ هُمْ لا يُظْلَمُونَ۔ (6:160)

ترجمہ: "جو (اللہ کے پاس) ایک نیکی لے کر آئے گا اسے دس گنا (اجر) ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا اسے صرف اسی برائی جتنا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

رحمت خدا کے شامل ہونے کی علامات اور نشانیاں

ہر وہ نعمت کہ جس سے اللہ تعالی نے بندوں کو نوازا ہے درحقیقت وہ ان کے لئے رحمت خدا ہیں، کہ جن میں بعض نعمتیں وہ ہیں کہ جو خود انسان کی ذات اور اس کے وجود سے مربوط ہیں جبکہ بعض دوسری وہ ہیں کہ جو اس کی معاشرتی زندگی سے وابستہ ہیں۔ روایات میں ہے کہ: صحت اور سلامتی، عزت و آبرو، مال و اولاد، دوست احباب اور زن و ذر وغیرہ کہ جب اعتدال میں ہوں تو نعمات خداوندی ہیں کہ جب وہ کسی کو میسر ہوتی ہیں تو درحقیقت رحمت الہی کے شامل حال ہونے کی علامات ہیں۔ اسی طرح جب ہم اللہ تعالی سے رحمت کی طلب کرتے ہیں تو اللہ تعالی بھی ہمیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم بھی دوسروں کے ساتھ رحمت ساتھ پیش آؤ۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام علیؑ نے جب مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا مالک لوگوں کے ساتھ ایسے رحمت کے ساتھ پیش آنا جیسے آپ خود اللہ تعالی سے رحمت کے امیدوار ہیں۔

پس جب دین مبین اسلام کی اساس پر نظر پڑتی ہے تو یہی دیکھائی دیتا ہے کہ اس دین کی بنیاد رحمت پر رکھی گئی ہے مثلاً جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے، مسلمان بھائی پر سلام کرے اور اسے کہے کہ "السلام علیکم" اور جواب دینے والے کے لئے کہا گیا ہے کہ و احسن انداز میں جواب دیتے ہوئے کہے "وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ" اور اگر سلام کرنے والا کہے "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" تو جواب دینے والا کہے: وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ" یا پھر یہ کہ جب گھر میں داخل ہوں تو اہل خانہ پر سلام کریں کہ اس سے رزق و روزی میں اضافہ اور رحمت خاص خدا میسر ہوتی ہے۔ زندہ تو زندہ اسلام مردگان کے لئے بھی حکم دیتا ہے کہ جب آپ ان کے دیار (قبرستان) میں جائیں تو سب سے پہلے ان پر سلام کرتے ہوئے کہیں "السلام علیکم یا اہل القبور" کہ یہ عمل خود رسول اللہ (ص) کی سیرت سے ثابت ہے۔ [40] اور اس طرح سے مردگان کے لئے اللہ تعالی سے اس کی رحمت طلب کرنا دین اسلام کی تعلیمات میں شامل ہے۔ لہٰذا یہ وہ مقام ہے کہ جس پر دین مبین اسلام دیگر تمام ادیان و مذاہب سے ممتاز ہو جاتا ہے اور اس کے امن پسند دین ہونے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ باہمی میل جول اور اجتماعی روابط کا آغاز ایک دوسرے کے لئے رحمت کی دعا کرنے سے

کرتا ہے۔اسی طرح جب ہم کوئی بھی کام کرتے ہیں تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس کے آغاز سے پہلے کہیں : "بسم اللہ الرحمن الرحیم" *اور فرمایا دین اسلام کی نظر میں بہترین عمل وہ ہے جو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع کیا جائے اور اس روٹ میں پھر لفظ رحمت ہے کہ جس کا مطلب اللہ تعالی کو رحمان اور رحیم جانتے ہوئے اس کے بابرکت نام سے اپنے کام کا آغاز کرنا ہے۔

نتیجہ

جو بیان کیا گیا وہ رحمت خدا کے اسلامی تصور کے بارے میں ہے۔ رحمت خدا ایک ایسا موضوع ہے کہ جو ہر زمانے میں انسانیت کے درمیان زیر بحث رہا ہے۔ اس موضوع پر جہاں قرآن و حدیث میں تاکید ہوئی ہے وہیں دیگر ادیان آسمانی میں بھی ابحاث موجود رہی ہیں۔ عیسائیت کے متعصب اسپیکر اسے اپنے مذہب کی ملکیت سمجھتے ہوئے، دیگر ادیان اور خصوصاً دین اسلام کو اس کے حوالے سے متہم کرتے چلے آئے ہیں کہ عیسائیوں کا خدا رحمت والا جبکہ مسلمانوں کا خدا اس کے برعکس ہے حالانکہ مسلمان بھی مدعی ہیں کہ دین اسلام میں رحمت خدا غضب الٰہی پر غالب ہے۔

مذکورہ بالا مدعا کے اثبات یارد کے لئے ضروری تھا کہ رحمت خدا کا لغوی و اصطلاحی تعارف اور اسلام میں اس کے تصور کے بارے میں کوئی تحقیقی تحریر عمل میں لائی جائے کہ جو اس موضوع پر معرفت و آگاہی حاصل کرنے والوں کے سامنے اس کی حقیقت پیش کرسکے۔ یہ تحقیق تاریخی نقطہ نظر سے توصیفی۔ تحلیلی طریقہ کار کے ساتھ انجام دی گئی ہے کہ جس میں لائبریریز اور مصادر اصلی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کی انجام دہی کے بعد یہ واضح کیا گیا ہے کہ چونکہ بعض انسانوں میں بخشش، صبر اور اسلامی فراست کم ہوتی ہے اس لئے دیگر ادیان کے کچھ مبلغین، ایسے مسلمانوں کے افعال و افکار کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ دین اسلام میں غضب خدا، رحمت الٰہی پر غالب ہے جبکہ اسلام اپنی تعلیمات کی پیش نظر دین رحمت ہے۔

دین اسلام کے دین رحمت ہونے کے جہاں پر قرآن مجید میں سینکڑوں شواہد موجود ہیں وہیں افعال و احادیث پیامبر (ص) و آئمہ طاہرینؑ اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ قرآن مجید میں تین سو چودہ (۳۱۴) مقامات پر لفظ رحمت استعمال ہوا ہے کہ جن میں فقط لفظ (رحمٰن [41]) جو کہ اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک ہے اور جسے خدا کے علاوہ کسی اور کے ساتھ توصیف نہیں کیا جاسکتا، ایک سو انتر (۱۶۹) مرتبہ میں آیا ہے۔ قرآن کریم گناہ گار ترین افراد

*رحمٰن ور حیم کے مفاہیم سے آگاہی کے لئے اسی مقالہ کے مقدمہ کی طرف رجوع کریں۔

کو بھی رحمت خدا سے مایوس ہونے سے روکتے ہوئے انہیں اللہ تعالی کی رحمتوں کا امیدوار رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ دین اسلام نے اپنے لیگل سسٹم، کریمنل لاء اور ایتھکل سسٹم میں عفو و بخشش کو قصاص کی نسبت برتری دی کہ جس کا اشارہ دین اسلام کے دین رحمت ہونے کی طرف ہے۔

اس کے بعد جب بانی اسلام (ص) سے کفار اور مشرکین کی نابودی کی دعا کرنے کے لئے کہا گیا تو آپ (ص) نے یہ کہتے ہوئے انکار فرمادیا کہ میں رسول رحمت بن کر آیا ہوں۔ آپ (ص) نے ہمیشہ راستہ میں کانٹے بچھانے والوں کے راستوں کو صاف کیا، پتھر مارنے والوں کو سینے سے لگایا اور گالیاں دینے والوں کو دعائیں دیں۔ آپ (ص) نے اپنے چچا حضرت حمزہ علیہ السلام کے قاتل "وحشی" کو معاف کر دیا اور فتح مکہ کے موقع پر اپنے بدترین دشمنوں کے لئے عام معافی کا اعلان فرما کر یہ ثابت کیا کہ دین اسلام کی بنیاد رحمت خدا پر رکھی گئی ہے۔ تاریخ اسلام میں اگر کسی مسلمان عالم دین نے اسلامی تعلیمات سے کافی آگاہی نہ ہونے کے سبب اللہ تعالی کی رحمت پر غضب الہی کو بیشتر فوقیت دی کہ جس سے اغیار کو باتیں کرنے کا موقعہ ملا، تو اس کے برعکس اسلام کے حقیقی پیشواؤں نے اس نقطہ نظر کو صاف صاف الفاظ میں رد کرتے ہوئے اللہ تعالی کی رحمتوں کا اس طرح تعارف کروایا کہ جیسے وہ ہیں۔

اسلامی تعلیمات کے پیش نظر رحمت خدا دو طرح کی ہے ایک رحمت عام کہ جس کے سبب کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا وجود باقی ہے کہ جسے خداوند متعال نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور وہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں سب کے شامل حال ہے جبکہ دوسری رحمت، رحمت خاص ہے کہ جسے اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور وہ کسبی ہے کہ جسے اولیائے الہی اپنی کوشش اور جستجو کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے رحمت خاص الہی کے حصول کے بہت زیادہ طریقے اور اعما بیان کئے گئے ہیں کہ جو مختلف اوقات میں انجام دینے سے اللہ تعالی کی رحمت حاصل کی جاسکتی ہے لیکن جس طرح رحمت خاص الہی کو بعض اعمال کے انجام دینے سے حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح بعض دوسرے ناپسندیدہ اعمال کے ذریعے انسان رحمت خاص خدا سے دور بھی ہو جاتا ہے۔ آخر پر یہ کہ یہ تحقیق اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ دین اسلام میں رحمت خدا، غضب الہی پر حاوی ہے۔

* * * * *

حوالہ جات

1۔ علی اکبر، قریشی، تحت لفظ رحمان (ندارد: بلیاوی، ندارد)277۔
2۔ علی اکبر، قریشی، تحت لفظ رحمان، ج3 (ندارد: بلیاوی، ندارد)72 ۔
3۔ محمد باقر، مجلسی، بحارالانور، ج43 (تہران: اسلامیہ، ندارد) 283۔ فتال نیشابوری، روضۃالواعظین وبصرۃالمتعظین، ج2 (قم: رضی، ندارد) 369۔
4۔ شیخ حسن، دیلمی، ارشاد القلوب الی الصواب، ج1 (قم: شریف رضی، 1412ق)176۔
5۔ موریس، بوکائلے، بائیبل قرآن اور سائنس، ترجمہ: ثناء الحق صدیقی (سیالکوٹ: وقاص پبلشرز2000ء)13 -14۔
6۔ مولوی، فیروز الدین، فیروز اللغات اردو جامع (لاہور: فیروز سنز، 2019)280۔
7۔ علی اکبر، دہخدا، لغت نامہ دہخدا (ندارد: ندارد، 2019) ندارد۔
8۔ بے نام، کیمبرج ڈکشنری (ندارد: ندارد، ندارد) ندارد۔
9۔ حسین بن محمد، الراغب الصفہانی، مفردات الفاظ قرآن، ترجمہ: محمد عبداللہ فیروزپوری، ج1 (لاہور: شیخ شمس الحق، اسلامی اکیڈمی، ندارد) 413-؛ سید محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن ج1 (قم: اسماعیلیان، 1393ق)23۔
10۔ علی اکبر، قریشی، تحت لفظ رحمان، ج3 (ندارد: بلیاوی، ندارد)68 ۔
11۔ علی اکبر، قریشی، تحت لفظ رحمان، ج3 (ندارد: بلیاوی، ندارد)68 ۔
12۔ علی اکبر، قریشی، تحت لفظ رحمان، ج3 (ندارد : بلیاوی، ندارد)72 ۔
13۔ شیخ حسن، دیلمی، ارشاد القلوب الی الصواب، ج2، ج1 (قم: شریف رضی، 1412ق)418،5۔
14۔ علی اکبر، قریشی، تحت لفظ رحمان، ج3 (ندارد، بلیاوی، ندارد)72 ۔
15۔ شیخ عباس، قمی، کلیات مفاتیح الجنان، ترجمہ: مہدی الہی قمشہ ای (قم: دانش برنا، 1391ش)114 ۔
16۔ شیخ طبرسی، احمد عابدی، الآداب الدینیۃ للخزانۃ المعینیۃ باترجمہ عابدی (قم: ندارد، 1380ق)261۔
17۔ شیخ حسن، دیلمی، ارشاد القلوب الی الصواب، ج1 (قم: شریف رضی، 1412ق)109 ۔
18۔ شیخ طبرسی، احمد عابدی، الفصل الرابع فی ذکر بعض مناقبہ وفضائلہ (ندارد: ندارد، ندارد)261۔
19۔ حرانی، ابن شعبہ، تحف العقول عن آل الرسول ﷺ (قم: جامعہ مدرسین، 1404ق)205
20۔ شیخ حسن، دیلمی، ارشاد القلوب الی الصواب، ج1 (قم: شریف رضی، 1412ق)109 ۔
21۔ شیخ عباس، قمی، کلیات مفاتیح الجنان، ترجمہ: مہدی الہی قمشہ ای (قم: دانش برنا، 1391ش)241 ۔
22۔ حسین، انصاریان، جلوہ ھای رحمت پروردگار، سخنرانی، 26 خرداد، 1398، ویب سائیٹ:
http://www.erfan.ir
23۔ شیخ حسن، دیلمی، ارشاد القلوب الی الصواب، ج1 (قم: شریف رضی، 1412ق)149 ۔
24۔ شیخ حسن، دیلمی، ارشاد القلوب الی الصواب، ج1 (قم: شریف رضی، 1412ق)151-153۔
25۔ محمد بن علی، شیخ صدوق، ثواب الأعمال وعقاب الأعمال (قم: دارالرضی، 1406ق)131 ۔

26۔ محمد باقر، مجلسی، *بحار الانور*، ج71 (تہران: اسلامیہ، ندارد) 66۔
27۔ محمد باقر، مجلسی، *بحار الانور*، ج71 (تہران: اسلامیہ، ندارد) 325۔
28۔ بے نام جزائری، *النور المبین فی قصص الانبیاء والمرسلین* (قم: آیت اللہ مرعشی، 1404ق) 171 ۔
29۔ شیخ طبرسی، احمد عابدی، *الآداب الدینیۃ للخزانۃ المعینیۃ* باترجمہ عابدی (قم: ندارد، 1380ق) 363۔
30۔ شیخ طبرسی، احمد عابدی، *الآداب الدینیۃ للخزانۃ المعینیۃ* باترجمہ عابدی، ج3 (قم: ندارد، 1380ق) 223۔
31۔ محمد بن یعقوب، کلینی، *الکافی*، ج2 (تہران: اسلامیہ، 1362ق) 151۔
32۔ محمد بن یعقوب، کلینی، *الکافی*، ج2 (تہران: اسلامیہ، 1362ق) 151۔
33۔ محسن علی قرائتی، *تفسیر نور* 56 سورہ اعراف (تہران، آن لائن، آخری مشاہدہ 7 دسمبر 2019، ویب سائیٹ:
http://www.ghbook.ir/index.php?option=com
34۔ اخوان حکیمی و احمد آرام، الحیاۃ باترجمہ احمد آرام، ج1 (تہران: دفتر نشر فرہنگ اسلامی 1380ش) 729 ۔
35۔ محسن علی قرائتی، *تفسیر نور* 56 سورہ اعراف (تہران: آن لائن، آخری مشاہدہ 7 دسمبر 2019، ویب سائیٹ:
http://www.ghbook.ir/index.php?option=com
36۔ شیخ حسن، دیلمی، *ارشاد القلوب الی الصواب*، ج1 (قم: شریف رضی، 1412ق) 98 ۔
37۔ محمد بن علی، شیخ صدوق، *امالی الصدوق* (بیروت: اعلمی، 1400ق) 606۔
38۔ شیخ حسن، دیلمی، *ارشاد القلوب الی الصواب*، ج1 (قم: شریف رضی، 1412ق) 76-77۔
39۔ شیخ حسن، دیلمی، *ارشاد القلوب الی الصواب* (قم: شریف رضی، 1412ق) 1، 341/2۔
40۔ شیخ طبرسی، *اعلام الوری بأعلام الہدی*، (تہران: اسلامیہ، 1390ق) 133۔
41۔ علی اکبر، قریشی، تحت *لفظ رحمان* (ندارد ا: لیاوی، ندارد) 277۔

کتابیات

1. اخوان، حکیمی و آرام، احمد، *الحیاۃ* باترجمہ احمد آرام، تہران: دفتر نشر فرہنگ اسلامی، 1380ش۔
2. بلیاوی، عبد الحفیظ، *مصباح اللغات* مکمل عربی اردو ڈکشنری، لاہور: مکتبہ قدوسیہ ندارد۔
3. بوکائیے، موریس، *بائیبل قرآن اور سائنس*، ترجمہ: ثناء الحق صدیقی، سیالکوٹ: وقاص پبلشرز، 2000ء۔
4. جزائری، *النور المبین فی قصص الانبیاء والمرسلین*، قم: آیت اللہ مرعشی، 1404ق۔
5. حرانی، ابن شعبہ، *تحف العقول عن آل الرسول* ﷺ، قم: جامعہ مدرسین، 1404ق۔
6. دہخدا، علی اکبر، *لغتنامہ دہخدا*، آن لائن، ندارد، ندارد، 2019، آخری مشاہدہ، 7 دسمبر 2019، ویب سائٹ:
https://www.vajehyab.com/?
7. دیلمی، شیخ حسن، *ارشاد القلوب الی الصواب*، قم: شریف رضی، 1412ق۔
8. شیخ صدوق، محمد بن علی، *ثواب الأعمال وعقاب الأعمال*، قم: دار الرضی، 1406ق۔
9. شیخ صدوق، محمد بن علی، *امالی الصدوق*، بیروت: اعلمی، 1400ق۔
10. طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، قم، اسماعیلیان، 1393ق۔

11. طبرسی، شیخ، عابدی احمد، *الآداب الدینیۃ للخزانۃ المعینیۃ* باترجمہ عابدی، قم: زائر، 1380ق۔
12. طبرسی، شیخ، *اعلام الوری بأعلام الہدی*، تہران: اسلامیہ، 1390ق۔
13. فیروزالدین، مولوی، *فیروزاللغات اردو*، (جامع)، نیاایڈیشن، لاہور: مطبوعہ فیروز سنز 2019، آن لائن، آخری مشاہدہ، 7دسمبر 2019ء،
ویب سائیٹ: https://www.urduweb.org/mehfil/threads
14. قرائتی، محسن، *تفسیر نور*، تہران: مرکز فرہنگی، 1387ش، آنلائن، آخری مشاہدہ 7دسمبر 2019، ویب سائیٹ:
http://www.ghbook.ir/index.php?option=com
15. قریشی، علی اکبر، *قاموس قرآن*، چ اول، قم: دارالکتب اسلامیہ، 1395ق۔
16. قمی، شیخ عباس، *کلیات مفاتیح الجنان*، ترجمہ: مہدی الہی قمشہ ای، قم: دانش برنا، 1391ش۔
17. کلینی، محمد بن یعقوب، *الکافی*، تہران: اسلامیہ، 1362ق۔
18. کیمبرج ڈکشنری، آن لائن، آخری مشاہدہ، 30اکتوبر 2019، سایٹ لنک:
https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/
19. مجلسی، محمد باقر، *بحارالانوار*، تہران: اسلامیہ، ندارد۔
20. معین، فرہنگ معین۔ آن لائن، ندارد، ندارد، 2019، آخری مشاہدہ، 7دسمبر 2019، ویب سائیٹ:
https://www.vajehyab.com/?
21. الراغب الأصفہانی، حسین بن محمد، *مفردات الفاظ قرآن*، ترجمہ محمد عبداللہ فیروزپوری، لاہور: شیخ شمس الحق، اسلامی اکیڈمی، ندارد
22. نیشابوری، فتال، *روضۃ الواعظین وبصیرۃ المتعظین*، قم: رضی، ندارد۔

امّتوں کے زوال کے اسباب

The Causes of the Downfall of the Nations

Hafiz Mukhtar Hussain Jafri

Abstract:

It is a universal law that nothing experiences rise or downfall without having any significant causes behind it. There is no exception in this law and it applies upon all the nations. In spite of having tremendous natural resources, the downfall of the Muslim nation has certain causes behind it. If it endeavors to find the causes of its downfall and to eradicate them, one can hope that Muslims can regain their lost glory and rise again. An attempt has been made in this article to find out the causes of the Muslim nation's downfall which include some religious, collective and economic factors.

Key words: *Ummat (nation/community), Muslim, Causes, Downfall.*

خلاصہ

یہ ایک آفاقی قانون ہے کہ قومیں بغیر اسباب کے عروج و زوال نہیں پاتیں۔ یہ اصول تمام اقوام پر لاگو ہے جس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔امت اسلامیہ کہ جو اتنے وسائل اور نیچرل منابع کی مالک ہونے کے باوجود زوال کا شکار ہے تو اس کے بھی چند اسباب ہیں۔ اگر ان اسباب کو تلاش کر لیا جائے اور انہیں رفع کرنے کی کوشش کر لی جائے تو ہم پھر سے معراج کمال پا سکتے ہیں۔ اس مقالے میں تا حد امکان کوشش کی گئی ہے کہ ملتوں کے زوال بالخصوص امت اسلامیہ کے زوال کے اسباب پر تحقیق اور جستجو کی جائے اور بتایا جائے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کی وجہ سے امت محمدیہ نے اپنے عروج سے زوال اور انحطاط کی طرف سفر کیا ہے۔

کلیدی کلمات: امت، مسلمان، اسباب، زوال۔

تعارف

یہ اس دنیا کی زندگی کی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو ملت اپنے نصب العین اور مقصد زندگی کو پس پشت ڈال دیتی ہے، اس کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق طرز عمل اختیار نہیں کرتی اور ان کے حصول کے لئے مسلسل ایثار و

قربانی اور جد وجہد کرنے کے لئے کمر بستہ نہیں رہتی ،اس کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا اسی طرح یقینی ہوتا ہے جس طرح تیل ختم ہو جانے کے بعد چراغ کا گل ہو جانا یقینی ہوتا ہے۔ کائنات میں کوئی بھی حادثہ بغیر کسی محدث کے وجود میں نہیں آسکتا، کوئی بھی معلول بغیر علت کے اپنا سفر حیات شروع نہیں کر سکتا، اسی طرح امتوں کا عروج و زوال بھی بعض عوامل کی بنا پر ہی پیش آتا ہے۔

دنیا کی ہر ملت کا عروج و زوال اسباب و علل کا مرہون منّت ہے۔خدا کے نزدیک کوئی بھی ملت حسب و نسب کی بنا پر باعظمت نہیں بنتی، بلکہ اس کے اعمال اس کو بلندیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی صورت حال کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں کہ یہ ملت بھی کبھی تاریخ میں باعظمت رہی ہوگی، لیکن تاریخی کتابوں کی ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان بھی باعظمت اور صاحب عروج رہے ہیں۔ان کی عظمت کا پرچم ایک طرف اسپین میں تو دوسری طرف ہندوستان کی سرحدوں کو عبور کرتے ہوئے سنکیانگ چین کی فضاؤں میں لہرارہا تھا۔

مختلف دانشوروں اور محققین کی آراء کے پیش نظر آج مسلمانوں کا یہ عالم ہے کہ ان کے لئے دنیا میں کوئی جگہ بھی محفوظ نہیں، کسی بھی سطح پر چاہے وہ تعلیم ہو یا تہذیب، مذہب ہو یا سیاست، اقتصاد ہو یا ہنر ان کا مستقبل تاب ناک نہیں۔ آخر اتنی بڑی تبدیلی کیوں کر واقع ہو گئی؟ کیوں مسلمان ترقی و ہنر کی بلندیوں سے گر کر پسماندگی کے ایسے گڑھوں میں گر گئے جہاں سے ان کا نکلنا دشوار تر ثابت ہو رہا ہے؟ان کے پاس بہترین افرادی قوت، حکومتیں اور وسائل ہونے کے باوجود ان کے مسائل میں روز بروز کیوں اضافہ ہورہا ہے؟ یہ غور و فکر کا مقام ہے۔آج اگر ملت اسلامیہ نے اپنے زوال وانحطاط کے اسباب کو تلاش کرنے کی کوشش نہ کی اور مستقبل کا کوئی لائحہ عمل طے نہ کیا تو پھر آنے والی نہ جانے کتنی صدیاں دنیا کے مسلمانوں کے لیے اور زیادہ تاریک ثابت ہو سکتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جو ملتیں ماضی کے واقعات سے سبق نہیں لیتیں وہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا نشان بن جاتی ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا بحث کے پیش نظر ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے زوال کے اسباب کی جانچ پڑتال کی جائے تاکہ ان کو اس انحطاط اور تنزل سے نکالا جاسکے۔

اُمّت کی تعریف

لغت میں امت ایک ایسا لفظ ہے کہ جو مختلف اور وسیع معانی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے گروہ، جماعت، پیرو اور تابع؛[1] لوگوں کا ایک گروہ، جماعت، کسی پیغمبر کے پیروکار اور اس کی جمع اُمم ہے۔[2] اور اصطلاح میں امت سے مراد جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے وہ انسان ہیں کہ جو ایک دوسرے کے ساتھ دینی تعلق رکھتے ہیں۔(2:2,213)،(3:110)اور احادیث میں بھی اس سے مراد وہ جماعت ہے کہ جو ایک پیامبر کی پیروی

کرتے ہوں اور امم سے مراد ماضی کی وہ اقوام اور ملتیں ہیں کہ جن کی ہدایت کے لئے اللہ تعالی نے کسی رسول کو مبعوث کیا ہو۔[3] قرآن مجید میں یہ لفظ 65 بار جمع اور مفرد کی صورت میں آیا ہے۔

امتّوں کے زوال کے اسباب

ملل اور اقوام کے زوال کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں اور درج ذیل سطور میں ان کے زوال کے چند اسباب کو بیان کیا گیا ہے۔

1. دینی اسباب (Religious Causes)

i. اسلامی قوانین کا عدم نفاذ

خداوند عالم نے اپنے خاص فضل و کرم سے دنیائے انسانیت کو انسان کے اپنے قائم کردہ اصول و ضوابط سے نجات دلا کر ایک ایسا ہمہ گیر اور عالمگیر نظام حیات عطا فرمایا کہ جس پر عمل کرنے سے انسان دنیا اور آخرت میں کامیابی اور کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ ذرا ہم اپنا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ ہم نے خدائے بزرگ و برتر کے دین کے ساتھ کیا کیا ظلم کیا ہے اور بندوں کے بنائے ہوئے نظام کی کن کن باتوں کو دین مبین اسلام میں شامل کر لیا ہے۔
1۔ نظام حکومت 2۔ نظام معاشرت 3۔ نظام تعلیم 4۔ نظام معیشت 5۔ عدالتی نظام 6۔ جرائم کی سزا و جزا کا قانون 7۔ امن عامہ (پولیس) کا نظام ۔8۔ کاروباری و دفاتری نظام ۔9۔ نظامِ بنکاری 10۔ عسکری و دفاعی نظام 11۔ خارجہ پالیسی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں فرمایا: اسلام کو الٹے لباس کی طرح پہن لیا گیا ہے۔

ii. قرآن و اہل بیتؑ سے جدائی

رسول اللہ ﷺ نے فلاح و بہبود اور دنیوی و اخروی کامیابی کا ایک نسخہ مسلمانوں کے گوش گزار کیا تھا کہ جسے انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی بھلا دیا اور حسبنا کتاب للہ کا نعرہ لگا کر قرآن اور اہل بیت میں جدائی کا راستہ اپنا لیا۔ یہیں سے اسلام کے زوال کا دور شروع ہوا اور اس وقت سے لے کر آج تک مسلمان ذلیل سے ذلیل تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر مسلمان اس نسخہ کیمیا حدیث ثقلین "انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا ابدا: کتاب الله فيه الهدى والنور حبل ممدود من السماء الى الارض وعترتي اهل بيتي وان اللطيف الخبير قد اخبرني انهما لن يفترقا حتى يردا على الحوض وانظروا كيف تخلفوني فيهما"[4] کو اپنا لیں تو وہ ہر گمراہی اور ضلالت، پسماندگی اور عقب ماندگی کی دلدل سے باہر نکل سکتے ہیں ورنہ زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گریں گے کہ ان کا پرسان حال نہیں ہوگا۔

iii. دین وسیاست کی جدائی

بعض مغربی مفکرین کی یہ کوشش رہی ہے کہ دین کو انسان اور انسانیت کے لئے زہر قاتل جلوہ دیں۔ اسی لئے دین کو افیون اور عقل زائل کرنے والے نشے سے تعبیر کرتے رہے ہیں، جبکہ یہ سراسر ناانصافی اور غلط بیانی ہے۔ کیونکہ دین نہ غلامی اور جمود فکری کا نام ہے اور نہ ہی غیر منطقی حرکتوں کا، دین نہ ہی جہل و نادانی کے مجموعے کا نام ہے اور نہ یہ کوئی سلانے والی دوائی ہے جسے وہ افیون قرار دے رہے ہیں۔ بلکہ دین وہ واحد شئی ہے جو انسان کی زندگی کو تہذیب کے ڈھانچے میں ڈھال کر کمال کی طرف لے جاتی ہے۔ دین ہی کسی کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے؛ اس کے علاوہ جو بھی رہنمائی کے دعویدار ہیں سب کے سب راہزن ہیں۔ لہٰذا جب سے لوگوں نے دین کو زمان و مکان کی زندان میں مقید کر دیا ہے انسانیت کے یوم الحزن کا آغاز ہوگیا ہے۔ یہی بات علامہ اقبالؒ نے کہی تھی:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو جُدا ہو دِیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

قائد اعظم نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ اسلام میں مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں بلکہ سیاست مذہب کے تابع ہے۔

iv. شہوت رانی اور اخلاقی گراوٹ

کسی ملت کے اندر اگر شہوت رانی اور اخلاقی گروٹ پائی گئی تو اس کا زوال یقینی ہے۔ سپین کی حکومت کا خاتمہ کیسے ہوا؟! اسپین میں مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال حکومت کی، لیکن جب ان کے اندر تفرقہ اور اخلاقی گراوٹ کا مرض پیدا ہوا تو آہستہ آہستہ ان کی حکومت جاتی رہی۔ ذرا سوچیئے! جس ملک میں مسلمانوں کا طوطی بولتا تھا آج اسی اسپین میں مسلمان خوف وہراس کی زندگی گزار رہا ہے؟!

v. حقیقی جہاد کا فقدان

جہاد کا ترک کرنا بھی قوموں کے زوال کا ایک اہم سبب ہے نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر مولا علیؑ نے مسلمانوں کی سرزنش صرف اس بات پر کی کہ تم نے جہاد جیسے عظیم فریضہ کو ترک کر دیا ہے جس کے چند نمونے یہاں بطور شاہد پیش کئے جاتے ہیں:

"فمن ترکه رغبة عنه البسه الله ثوب الذ ل و شمله البلاء" [5] یعنی: جو بھی جہاد سے اعراض کرتے ہوئے اسے ترک کرے گا خدا اسے ذلت کا لباس پہنائے گا اور اس کو مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔: "میں نے اس قوم کو اعلانیہ اور مخفی طور پر دعوت دی مگر انہوں نے سستی وکاہلی کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں دشمن ان کی زمینوں پر قابض ہوتا گیا "

ان تعبیرات سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولا علیؑ کی نگاہ میں ترک جہاد کتنا بڑا جرم ہے۔ یہ اسلام کا مقدس فریضہ، ملت کے جاہل، کج فہم لوگوں اور نام نہاد علماء کی وجہ سے غلط سمت اختیار کرتے ہوئے دہشتگردی کی شکل اختیار کر گیا۔

vi. دین حق سے ناواقفیت اور جہالت

جہالت کا نتیجہ فرعونیت ہے، جس کے سبب ملتا پنے سنہرے ماضی سے منہ موڑ لیتی ہے، اسی جہالت کے سبب حکمران بے ایمان ہو جاتے ہیں اور اقوام ان کے خلاف قیام کرنے کے بجائے خود بھی بے ایمانی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

جہالت کی وجہ سے معاشرتی فساد اور نفسیاتی امراض کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ حکام عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں اور علماء اور فقہاء ان کے درباروں کی زینت بن جاتے ہیں۔ تو اس وقت پھر ہمارے ادبار اور شقاوت کو نہ ہماری حکومت روک سکتی ہے اور نہ ہی عسکری قوت۔ رسوائی و ذلت کے اس بحر متلاطم کے تھپیڑوں سے نہ علماء و مشائخ بچ سکتے ہیں اور نہ عمال اور زہاد۔ آج جتنی رسوائی مسلمان اُٹھا رہے ہیں شاید ہی کوئی اور ملت اس درجہ مغضوب و مقہور ہوئی ہو۔ وتلك الايام نداولها بين الناس۔ [6]

vii. اختلاف اور انتشار امت

قرآن نے شدت سے مسلمانوں کو تفرقہ اور اختلاف سے منع کیا ہے اور اس کے شوم اور نحس اثرات کی طرف انسان کی توجہ دلائی کیا ہے: " وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ " (8:46) یعنی: اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ گویا اگر آپس میں نزاع کیا تو اس کا نقصان یہ ہوگا کہ تم ہر میدان میں مغلوب ہوتے نظر آؤ گے۔ مولا علیؑ نے بھی اپنے اصحاب کو اسی اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے: " والله لاظن۔۔۔منکم باجتماعهم على باطلهم وتفرقكم عن حقكم " [7] یعنی: خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عنقریب ہی یہ حکومت تم سے چھین لی جائے گی اس لئے کہ باطل پرست اپنے باطل پر متحد ہیں، لیکن تم لوگ حق پر بھی متحد نہیں ہو"۔امام علیؑ کے اس کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تفرقہ واختلاف کا نقصان کفر وایمان کی سرحدوں سے ماوراء ہے۔

2. سیاسی اسباب (Political Cuses)

i. ظالم حکمران

یہ ایک اٹل اصول ہے کہ جب تک ملتیں قیام عدل میں مساعی اور جدوجہد کرنے والی ہوتی ہیں تو فتح وکامرانی اور نصرت الٰہی ان کے قدم چومتی ہے؛ لیکن جب قیام عدل کے بجائے ظلم اور ترویج جور وستم ان کا شعار بن جاتا ہے

تو پھر قانون فطرت حرکت میں آتا ہے اور ان کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیتا ہے۔ جس کی طرف امیر المؤمنین علی علیہ السلام اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الظلم یزل القدم ویسلب النعم ویھلك الامم"[8] ظلم ظالم کو متزلزل، نعمتوں کو سلب اور امتوں کو ہلاک کر دیتا ہے"۔قرآن کا صاف اعلان ہے: " وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ " (28:59) ترجمہ: "ہم کسی بستی کو تباہ کرنے والے نہیں ہیں مگر یہ کہ اس کے رہنے والے ظالم ہوں۔" گویا قرآن کی نگاہ میں بھی قوموں کی ہلاکت کا اہم سبب ظلم ہے اور ظلم کے ذریعے حاصل ہونے والی کسی بھی حکمرانی میں دوام نہیں ہوتا۔ اسی لئے مولائے کائنات فرماتے ہیں: " اگر مجھے ہفت اقلیم کی حکومت صرف اس بات پر دی جائے کہ میں چیونٹی کے منہ سے دانہ چھین لوں تو میں ایسا ہر گز نہیں کر سکتا"۔[9]

ii. قومی سطح پر خیانت

انسان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ کا امین ہے۔ "إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۔۔۔۔ (33:7) ترجمہ: "بیشک ہم نے (اِطاعت کی) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس (بوجھ) کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا، بیشک وہ (اپنی جان پر) بڑی زیادتی کرنے والا (ادائیگیٔ امانت میں کوتاہی کے انجام سے) بڑا بے خبر و نادان ہے۔"

قرآن کریم نے امانت قبول کرنے کو ایک مثبت صفت کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس خیانت ایک بری صفت ہے۔ خیانت کا اثر صرف انسان کے اخلاق پر نہیں پڑتا بلکہ پورے معاشرہ پر پڑتا ہے۔ حضرت علیؑ اپنے اصحاب کے بارے میں فرماتے ہیں: "بدارئھم الامانۃالی صاحبھم وخیانتکم"[10] یعنی: " یہ اپنے مالک کی امانت اس کے حوالے کر دیتے ہیں اور تم خیانت کرتے ہو۔"

حضرت علی علیہ السلام بعض لوگوں کی خیانت کے بارے میں یوں فرماتے ہیں: "فلوائتمنت احدکم علی قعب لخشیتُ ان تذھب بعلاقتہ "[11] یعنی: "اگر میں تم میں سے کسی کو ایک لکڑی کے پیالہ کا بھی امین بناؤں تو ڈر ہے کہ کہیں وہ اسے بھی لے کر بھاگ نہ جائے۔" جس قوم کی خیانت اس حد تک پہنچ جائے تو اس کا زوال یقینی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایک فرد کی خیانت پوری قوم پر اثر انداز ہوتی ہے جس کی واضح مثال اشعث ابن قیس ہے جس نے اپنی قوم کے ساتھ خیانت کی اور قلعہ کا دروازہ کھول کر پوری قوم کو دشمن فوج کے حوالے کر دیا اسی بناء پر اس کا لقب عرف النار پڑ گیا اور اگر اسلامی ممالک کے حاکم ہی خائن ہوں تو مسلمان کہاں پناہ لیں؟!

3. تقسیم کرو اور حکومت کرو (Divide and Role)

"تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی کسی تعریف کی محتاج نہیں ہے اور اسی کو مدّ نظر رکھ کر دشمن ہمیشہ ضعیف اقوام کو اپنے تسلط میں رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن جب تک کوئی ملت اتحاد کی نعمت سے مالا مال ہے کوئی دشمن اس پر مسلط نہیں ہو سکتا، لہٰذا دشمن اولین کوشش یہی کرتا ہے کہ تفرقہ ایجاد کیا جائے، آپس میں لڑائے اور معاشرے یا ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جائے تاکہ لقمہ نگلنے میں آسانی ہو۔ آپ آج کے دور کا مطالعہ کریں تو تفرقے کے نقصانات واضح ہو جائیں۔

4. اجتماعی اسباب (Social Causes)

i. ذہنی غلامی

اگر کوئی قوم بندگی کا طوق اپنے گلے کی زینت بنا دے تو زوال اس ملت کا مقدر ہے۔ ایک زمانے تک تو یہ اپنی غلامی کا احساس تو کرتی ہے پھر یہ اپنی غلامی کو بھی آزادی سمجھنے لگتی ہے اور پھر آزادی کی کوشش ہی نہیں کرتی۔ اسی بے حسی کی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ مختلف اقوام میں جب آزادی کی تحریکیں اٹھتی ہیں کچھ بے حس و بے ضمیر افراد لوگوں کو آزادی کی بجائے غلامی کا درس دیتے ہیں اور اگر کہیں سے خواب غفلت سے بیداری کی کوئی آواز اُٹھتی ہے تو اسے تھپکیاں دیکر سلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

غلامی ایک ایسی مصیبت ہے کہ جو کسی ملت پر آتی ہے تو اس سے سب کچھ چھین لیتی ہے۔ وہ اپنی حیثیت، خودی، مقام، ملک، آئین اور ثقافت حتیٰ کہ دین تک سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ پھر دین فروشی بھی اس کے لئے ایک آسان عمل ہو جاتا ہے اور کبھی تو ایسی قوم بد بختی کی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ جہاں وہ اپنے دین جیسی قیمتی ترین متاع کو ایک روٹی کی خاطر بھی بیچ ڈالتی ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "ولا تکُن عبدَ غَیرِکَ وقد جعَلَکَ اللہُ حُرّاً، یعنی: "کسی کا غلام نہ بن اللہ تعالی نے تمھیں آزاد پیدا کیا ہے"۔[12]

ii. زمانے کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا

عام طور پر ملتیں تب برباد ہوتی ہیں جب ان میں جدید تقاضے پورا کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی ہے، ایسی ملت فطرت کے اصولوں سے انحراف کرنا شروع کر دیتی ہے اور زمانے کے سامنے کمزور ہو جاتی ہے پھر گردش زمانہ یا تو ان کا خاتمہ کر دیتی ہے یا پھر وہ ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا پڑتی ہے اور یہی صورت حال آج امت مسلمہ کی ہے۔

اختلاف اور تعصّباب

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جن اقوام و ملل کا شیرازہ بکھر جاتا ہے وہ کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتیں آج زوال پذیر اقوام خصوصاً مسلم امہ جس زبوں حالی کا شکا رہے اور مختلف نسلی، قومی، علاقائی اور لسانی اختلافات کا شکار ہے اور وحدت وہمبستگی سے دور ہے اور جہاں ہر کوئی اپنی نسل، اپنی ملت، اپنا علاقے اور اپنی زبان کی بات کرتا پھر رہاہے وہاں قوم کا زوال اور انحطاط یقینی ہو چکا ہے۔ لیکن کسی کو بھی اس کی سمجھ نہیں آرہی اور کوئی بھی تاریخ سے عبرت نہیں لے رہا۔ کاش کوئی اس حقیقت کو سمجھ جاتا لیکن افسوس کے ساتھ اکثریت اس حقیقت سے غافل ہے۔

5. اقتصادی اسباب (Economical Causes)

i. معاشی عدم توازن

جب کوئی قوم معاشی عدم توازن کا شکار ہوتی ہے تو اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے، اس وقت ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جاتا ہے جو اسے اپنی معاشی غلامی میں جکڑ لیتا ہے پھر اس ملت کی مثال چوپایوں جیسی ہو جاتی ہے جسے ہانکا جاتا ہے، برتا جاتا ہے اور مار دیا جاتا ہے، ایسے لوگ صرف ٹشو پیپر کی طرح استعمال کی چیز بن جاتے ہیں۔ ایسی ملت میں ہمدردی کا احساس ختم ہو جاتا ہے اور وہ صرف مادہ پرست ہو جاتی ہے اور یہ مادہ پرستی اس میں فحاشی اور اخلاقی پستی کو جنم دیتی ہیں۔ ایسی ملت جس میں اخلاقی پستی آجائے وہ تیزی سے زوال کی طرف جاتی ہے۔

ii. فقر اور تنگدستی

فقر اور تنگدستی ایک ایسی مصیبت ہے کہ جو کفر اور شرک کی حد تک انسان کو پہنچا دیتی ہے اور انسان بے غیرت تک بننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے امیر المؤمنین علیؑ نے نہج البلاغہ میں فرمایا: "الفقر الموت الاکبر؛ یعنی: "فقر، ایک بڑی موت ہے۔"[13] اور آج کے مسلم معاشرے میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ چند ممالک سے ہٹ کر باقی سارے ملکوں پر غربت کے سائے چھائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا مسلم دنیا کو ہنگامی طور پر ان معاشی مسائل سے نپٹنا چاہیے۔

نتیجہ

زوال کے اسباب کا اثر حتمی ہے کیوں کہ اسباب علت اور زوال معلول ہے اور علت کی موجودگی سے معلول کا وجود یقینی ہوتا ہے۔ ان اسباب کے اثرات کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ جس قوم میں بھی یہ اسباب پائے جائیں اس قوم کا زوال یقینی ہے چاہے وہ قوم یہودی ہو یا عیسائی یا کوئی اور قوم ہو۔ امت مسلمہ کے زوال کے

اسباب اسلام کے قوانین کا عدم نفاذ، دین اور سیاست کی جدائی، مذہبی تعصب، ظالم حکمران، فقر و افلاس، ذہنی غلامی اور زمانے کے تقاضوں سے عدم آگاہی ہے۔

* * * * *

حوالہ جات

1۔ مولوی، فیروز الدین،*فیروز اللغات اردو جامع* (لاہور: فیروز، ندارد) 121۔

2۔ حسن عمید،*فرہنگ عمید* (تہران: مؤسسہ،انتشارات امیر کبیر، ندارد) 232۔

3۔ عبد المجید، ترکی،*اجماع امت مؤمنان*، از جوہر عقیدتی تا واقعیت تاریخی ج 1، (تہران: تحقیقات اسلامی، 1368 ش) 30۔

4۔ محمد بن عیسیٰ، ترمذی الجامع الصحیح وھو سنن الترمذی (قاہرہ۔ مصر، دار الحدیث، 1419) 663، 328۔

5۔ سید محمد رضی، نہج البلاغہ، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، خطبہ 2 (گولہ گنج لکھنؤ: تنظیم المکاتب، 2005ء) ندارد۔

6۔ عبد الرشید طلحہ، نعمانی، قوموں کے عروج و زوال کی کہانی ابو الکلام آزاد کی زبانی، (ڈیلی ہنٹ Dailyhunt، آئن لائن: 28 دسمبر 2019) ویب سایٹ کا آڈریس:

https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/star+news+today+urdu-epaper-strnwsur/-newsid-75325393

7۔ سید محمد رضی،*نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، خطبہ 2 (گولہ گنج لکھنؤ: تنظیم المکاتب، 2005ء)۔

8۔ الشیخ محمد، المحمدی الری شہری،*میزان الحکمہ*، ج 5 (قم: سازمان چاپ و نشر دار الحدیث، 1386 ش) 5۔

9۔ سید محمد رضی،*نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، خطبہ 2 (گولہ گنج لکھنؤ: تنظیم المکاتب، 2005ء)۔

10۔ سید محمد، رضی،*نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، خطبہ 25۔

11۔ سید محمد، رضی،*نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، خطبہ 35۔

12۔ سید محمد، رضی،*نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، مکتوب 31۔

13۔ سید محمد، رضی،*نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، حکمت 163۔

کتابیات

1) فیروز الدین، مولوی،*فیروز اللغات اردو جامع*، لاہور، فیروز، ندارد۔

2) عمید، حسن،*فرہنگ عمید*، تہران، مؤسسہ،انتشارات امیر کبیر، ندارد۔

3) ترکی، عبد المجید، *اجماع امت مؤمنان*، از جوہر عقیدتی تا واقعیت تاریخی تہران، تحقیقات اسلامی، 1368 ش۔

4) محمد بن عیسیٰ، ترمذی *الجامع الصحیح وھو سنن الترمذی*، قاہرہ، دارالحدیث، 1419۔
5) رضی، سید محمد، *نہج البلاغہ*، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، گولہ گنج لکھنو، تنظیم المکاتب، 2005ء۔
6) المحمدی الری شہری، الشیخ محمد، *میزان الحکمہ*، ج5، قم، سازمان چاپ ونشر دارالحدیث، 1386ش۔
7) عبد الرشید طلحہ، نعمانی، قوموں کے عروج و زوال کی کہانی ابو الکلام آزاد کی زبانی، (ڈیلی ہنٹDailyhunt ، آئن لائن: 28دسمبر2019) ویب سایٹ کاآڈریس:
https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/star+news+today+urdu-epaper-strnwsur/-newsid-75325393

اسلام، ایک عالمی دین

Islam, a Universal Religion

Dr. S. Muhammad Jawad Sherazi
Professor Dr. Mohammad Razai
Assistant Professor Dr. Rohullah Shakri

Abstract:

The domination of religion over the whole world was something every prophet dreamed about. Every prophet passed away giving the good tiding of the last prophet to his successive prophet. The Holey prophet came to this world with the final religion of Islam which is the most comprehensive one among other divine religions. Islam has the capacity to meet all human needs in all times. Allah Almighty has promised that this religion will dominate all other religions, that is, Islam will be will dominant religion of the world after defeating polytheism, idol-worship and irreligiosity.

Key words: *Final era (akhar al-zaman), Islam, Divine Religions, Polytheism, Irreligiosity.*

خلاصہ

دین کا پوری دنیا پر مسلط ہونا تمام انبیاء کا خواب تھا ہر نبی اپنے بعد والے نبی کو آخری نبی ﷺ کی بشارت دے کر جاتا ہے۔ آخری نبی اکرم ﷺ دین اسلام لے کر اس دنیا میں تشریف لائے دین اسلام تمام الٰہی ادیان میں سے جامع ترین دین ہے تمام ادیان الٰہی کو ختم کرنے والا ایسا دین جو قیامت تک آنے والی تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ خداوند متعال نے وعدہ کیا ہے کہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا۔ یعنی آخر الزمان میں اسلام شرک، بت پرستی، شہوت پرستی اور بے دینی پر غالب آ کر رہے گا۔

کلیدی کلمات: آخر الزمان، اسلام، آسمانی دین، شرک، بے دینی۔

تعارف

خداوند متعال نے انسان کو اشرف المخلوقات خلق کیا ہے اور انسان کو عقل و فہم کی نعمت سے مالا مال کیا ہے اور انسان کی خلقت کی وجہ خداوند متعال نے بندگی، خدمت خلق اور حصول کمال متعین کی ہے۔ انسان اپنی عقل کی وجہ حق و باطل میں فرق کر سکتا ہے خداوند متعال نے پیامبر اور رسول مبعوث کیئے تا کہ انسان کو سعادت اور خوش بختی کی طرف راہنمائی کریں۔خداکے بھیجے ہوئے انبیاء نے ہمیشہ کوشش کی کہ لوگوں کو حق کی طرف راہنمائی کریں لیکن باطل قوتوں نے ہمیشہ انبیاء کی مخالفت کی اور کوشش کی کہ پیغام خدا لوگوں تک پہنچنے نہ پائے۔ کبھی پیغمبروں کو جادو گر یا مجنون کہا گیا اور کبھی پیغمبروں کو قتل کر دیا گیا۔ تاریخ انسانیت میں بہت سے آئین الٰہی بھیجے گئے لیکن ہر دین میں تحریف کر دی گئی۔

خداوند متعال کا وعدہ ہے کہ ایک دن اسلام تمام ادیان پر حاکم ہو گا اور ظلم و ستم ختم ہو جائے گا پوری دنیا میں انصاف کا پرچم بلند ہو گا نبی اکرم ﷺ اپنے بعد آنے والے ایک مسیحا کی نوید سنا کر گئے ہیں کہ جس کے آنے سے پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گا اور ایک بھی مشرک اس زمین پر باقی نہیں رہے گا۔ہر دین کے پیروکار آج اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود اسی مسیحا کے انتظار میں ہیں جس کے آنے سے پوری دنیا میں عدل و انصاف قائم ہو گا۔اس تحقیق میں ہم ان وجوہات کو بیان کریں گے جو آخری زمانے میں اسلام کی پوری دنیا میں حکمرانی کا موجب ہیں۔ یہ وجوہات درج ذیل ہیں:

جامعیت

اسلام ایک جامع دین ہے اور تمام انسانی ضروریات کو قیامت تک پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے قرآن اور احادیث میں دین اسلام کو ایک جامع دین کہا گیا ہے: ”اور ہم آپ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت بشارت بنا کر نازل کی ہے۔“ (16:89) ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "یہ قرآن گھڑی ہوئی باتیں نہیں بلکہ اس سے پہلے آئے ہوئے کلام کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل (بتانے والا) اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔(یوسف:111)" ان دونوں آیتوں میں جو چیز مشترک ہے وہ یہ ہے کہ قرآن ہر چیز کو بیان کرنے والی کتاب ہے شیخ طوسی نے اس سے مراد ان امور کو لیا ہے کے جو کہ دین سے مربوط ہیں[1] اسی طرح زمخشری نے ان آیات کو دینی امور کے متعلق جانا ہے۔

امام فخر رازی کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آیت دینی امور کو بیان کرنے والی ہے کیونکہ قرآن مجید میں تمام علوم کو ذکر نہیں کیا گیا وہ آیات جن میں زمین و آسمان کی خلقت کو بیان کیا گیا ہے وہ فقط اشارہ ہے علوم کی طرف نہ یہ کہ

خداوند متعال نے ان تمام علوم کو مکمل اور جامع قرآن میں بیان کر دیا ہے پس قرآن کا جامع ہونا عقائد اور اس سے مربوط دیگر مسائل تک ہے۔

علامہ طباطبائی کا نظریہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی انسان کی ہدایت، کمال اور سعادت سے متعلق ہے وہ قرآن میں ذکر ہے سورہ نحل کی آیت 89 اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یہ آیت قرآن کی برجستہ صفات کو بیان کرتی ہے اور ایک صفت یہ ہے کہ یہ ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے یہاں تبیان بیان کے معنی میں استعمال ہوا ہے قرآن چونکہ تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی کردار نہیں پس ظاہرا اس سے مراد ہر وہ چیز جس سے ہدایت ہو سکتی ہو وہ بیان کی گئی ہے۔ انسان کی خلقت کی ابتدا معاد، اخلاق، شریعت الٰہی، کس سے اور نصیحت کی ہر وہ بات جو انسان کی ہدایت کے لیے ضروری ہے قرآن میں ذکر ہے" [2]

احادیث میں بھی اسلام کو ایک جامع دین کہا گیا ہے اور اس پر تاکید کی گئی ہے۔ نہج البلاغہ میں حضرت امام علی علیہ السلام سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا: "اگر دین جامع نہیں تو ناقص ہے تو کیا خداوند متعال نے ناقص دین نازل کیا ہے؟ (جو کہ درست نہیں) [3] "امام صادق علیہ السلام سے نقل ہے: " مامن شی الا و فیه کتاب او سنة یعنی: "کوئی چیز ایسی نہیں جس کے بارے میں کتاب یا سنت پیغمبر ﷺ موجود نہ ہو [4]۔" خلاصہ یہ کہ دین اسلام ایک جامع ترین دین ہے جس میں انسانی ہدایت کے لیے واضح بیان موجود ہے کوئی ایسا گوشہ خالی نہیں جس میں قرآن یا حدیث کے ذریعے واضح دستور عمل موجود نہ ہو۔

کمال

اسلام ایک کامل دین ہے اسلام سے پہلے جو شریعتیں خداوند متعال کی طرف سے نازل ہوئی وہ ایک خاص مدت اور زمانے کے لئے تھیں وہ اس زمانے کے لوگوں کی فکری صلاحیت کے مطابق تھیں لیکن ان تمام شریعتوں کے برعکس اسلام بعثت رسول اکرم ﷺ سے لے کر قیامت تک کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں دین اسلام کے مکمل ہونے کے بارے میں ارشاد خداوند متعال ہے: "کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں پس تم ان کافروں سے نہیں مجھ سے ڈرو آج تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔" (5:3)

علامہ طباطبائی نے اپنی تفسیر میں کمال اور تمام کے درمیان فرق کو بیان کیا ہے۔ اکمال" اور اتمام" ایک دوسرے کے قریب ہیں معنی کے لحاظ سے، راغب کہتا ہے کمال سے مراد یہ ہے کہ اس چیز کا مقصد حاصل ہو جائے، اور تمام سے مراد یہ ہے کہ کوئی چیز اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی اور چیز کی محتاج نہ ہو جبکہ اس کا متضاد ناقص تمام کے برعکس اپنی ذات کے پورا ہونے کے لئے باہر سے کسی دوسری چیز کا محتاج ہوتا ہے۔

موجودات کے دو قسم کے اثر ہیں پہلی قسم کلی موجودات اس وقت اپنا اثر دکھاتی ہیں جب اس کے تمام اجزاء اکٹھے ہوں (مثلاً ایک معجون کئی اجزاء سے مل کر بنتا ہے اگر اس کا ایک جز و نہ ہو تو اس کا اثر نہیں ہوتا) یا مثلا روزہ کئی کاموں سے رکنے کا نام ہے اگر ان میں سے ایک کام نہ ہو تو روزہ روزہ نہیں رہتا مثلاً اگر کوئی سارا دن کھانے پینے سے پرہیز کرے لیکن ایک لمحے کے لئے ایک گھونٹ پانی پی لے تو اس کا روزہ روزہ نہیں رہتا۔اس طرح کے امور کے جمع ہونے کو تمام کہا جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی: " ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ " (2:187) ترجمہ: "پھر رات تک روزے کو پورا کرو۔" یا ارشاد ہے: "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا" (6:115) ترجمہ: "اور آپ کے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کے اعتبار سے کامل ہے۔" دوسری قسم کے موجودات ایسے ہیں کہ ان کے آثار مترتب ہونے کے لئے تمام اجزاء کا اکٹھا ہونا ضروری نہیں ہے ہر جز کا اثر مترتب ہوتا ہے (البتہ اسی مقدار میں جتنا وہ جز ہے) اور اگر تمام اجزاء مل جائے تو اس کا مکمل اثر ہوگا جیسے اگر ایک دن روزہ رکھو تو ایک اثر اور اگر پورا مہینہ رکھو تو مکمل اثر حاصل ہوگا اسی طرح کی موجودات کو کمال سے تعبیر کرتے ہیں جیسے ارشاد ہے: فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (2:196) ترجمہ: "اور جسے قربانی میسر نہ آئے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات واپسی پر۔اس طرح یہ پورے دس (روزے) ہوئے۔ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے۔" اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: وَلِتُكْمِلُواْ الْعِدَّةَ، (2:185) ایسی مثالوں میں بعض کا اثر بھی مترتب ہے اور کل کا اثر بھی مترتب ہے۔ پس ہمارا دین کامل دین ہے اور خداوند متعال نے اس کو کامل کرکے امت محمدی پر اپنا فضل و کرم تمام کیا ہے۔

خاتمیت

اسلام تمام الٰہی ادیان کا آخری دین ہے اس کے بعد نہ تو کوئی نبی مبعوث ہوگا اور نہ ہی کوئی کتاب نازل ہوگی پیغمبر اکرم ﷺ خاتم الرسل ہیں خاتم النبیین ہیں آپ تمام انبیاء کے وارث ہیں۔سورہ احزاب میں ارشاد خداوندی ہے: مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ترجمہ: "محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔" (33:40) اسی طرح متواتر احادیث میں نبی کریم کے خاتم النبین ہونے پر تاکید کی گئی ہے۔

جاودانی

اسلام ایک جاودانی دین ہے۔ یہ ہر دور کے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسلام نہ تو کسی خاص قوم یا قبیلے کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی کسی خاص زمانے کے لئے ہے بلکہ اسلام پوری دنیا کے لوگوں کے لئے ہدایت کا باعث ہے اور ہر زمانے کے لوگوں کے لئے ہے۔ اسلام کے عالمی دین ہونے کی سب سے پہلی دلیل

وہ آیات ہیں جو تمام انسانوں کی ہدایت کو اسلام کا ہدف قرار دیتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: "یہ تو سب عالمین کے لئے بس نصیحت ہے۔"(81:27) اسی طرح ایک آیت میں ارشاد ہے: "بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لیے انتباہ کرنے والا ہو۔" سورہ ابراہیم خداوند متعال فرماتا ہے: " یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے اذن سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔"(14:1)ان آیات میں واضح طور پر ذکر ہوا ہے قرآن کسی خاص زمانے کے لیے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے ہے اور سب کو راہ نجات اور ہدایت کرنے والا ہے۔

اسلام کے ایک عالمی دین ہونے کی دوسری دلیل وہ آیات ہیں جو تمام انسانوں کو مخاطب کر رہی ہیں۔ جس میں نہ کوئی قوم نہ قبیلہ نہ ہی کوئی خاص فرقہ، بلکہ تمام انسان قرآن کی ہدایت کا مخاطب قرار پائے ہیں۔ سورہ حج آیت 49 میں ارشاد رب العزت ہے: "کہہ دیجئے اے لوگوں میں تو تمہارے لئے صرف تنبیہ کرنے والا ہوں۔" اسی طرح دوسری آیت میں خداوند فرماتا ہے: " اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس پر اللہ گواہی کے لئے ہ کافی ہے۔"

ان آیات میں مخاطب تمام انسان میں کوئی ایک قوم یا قبیلہ نہیں ہے۔اس سے پہلے الٰہی نازل ہوئے ہیں اور ہر نیا دین اپنے سے پہلے والے دین کو نسخ کر دیتا ہے لیکن دین اسلام آخری دین ہے اور اس سے پہلے آنے والے تمام ادیان کو نسخ کرنے والا دین ہے اور تمام عالمین کو اپنا مخاطب قرار دیتا ہے۔ علامہ طباطبائی نے اس آیت کے بارے میں اس طرح لکھا ہے: "اور ظاہر اس سے مراد تمام انسان ہیں نہ رسول خدا کی قوم خاص کی گئی ہے اور نہ ہی مومنین اور اس آیت میں کوئی دلیل لفظی اس کو مقید نہیں کرتی اور خدا کا کلام واضح پیغمبر اسلام کی رسالت کی عمومیت پر دلالت کر رہا ہے اور تمام انسانوں کو بتا رہا ہے کہ اس کلام کے ذریعے تمہیں اور ہر اس کو جیسے جیسے یہ پیغام پہنچ جائے کہ میں تمام لوگوں کا پیغمبر ہوں اور پیغمبر اکرم ﷺ کا عمل بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے یہودیوں اور تمام اہل کتاب کو اسلام کی طرف دعوت دی اور عبداللہ بن سلام سلیمان بلال صہیب وغیرہ کو اسلام میں قبول کیا۔"[5]

اس کے علاوہ وہ آیات جو اہل کتاب کو اسلام کی طرف دعوت دیتی ہیں وہ اسلام کی جامعیت، جاودانی اور عالمی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد خداوند متعال ہے: "اے اہل کتاب ہمارے رسول تمہارے پاس کتاب خدا کی وہ بہت سی باتیں تمہارے لئے کھول کر بیان کرنے کے لئے آئے ہیں جن پر تم پردہ ڈالتے رہے ہو۔" اسی طرح کی آیات اور پیغمبر اسلام ﷺ کا مختلف بادشاہوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا اور حق کی پیروی اور جستجو کرنے والوں کی طرف سے اسلام کی طرف آنا یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام ایک عالمی دین ہے۔[6]

اسلامی قوانین کی کلیت

اسلام میں دو طرح کے قوانین پائے جاتے ہیں: ایک ایسے احکام جو کہ ثابت ہیں ردوبدل ممکن نہیں ہے جیسا کہ واضح اخلاقی، اجتماعی اور شہری قوانین جو کہ معمولا تمام تہذیبوں میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں وہ قطعی اور ثابت ہیں۔ جبکہ دوسری قسم کے احکام ایسے ہیں جن کے لئے ہ قائدہ کلیہ وضع کیا گیا ہے جبکہ اس کی جزئیات کو ہر معاشرہ کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے معین کیا جاتا ہے اس کے لئے فقہاء وعلماء ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں اور وہ فتوی صادر کرتے ہیں البتہ یہ فتوی بغیر کسی قانون یا قائدہ نہیں ہوتا بلکہ ایک معین شدہ اصول و قوانین کی روشنی میں دینی حرمت کے دائرے میں فتاوی صادر کئے جاتے ہیں۔

اسلام میں انسان کی معنوی ضروریات کے ساتھ ساتھ مادی ضروریات کو بھی مدّ نظر رکھا گیا ہے اسی لئے اسلام میں حد سے تجاوز یا کمی کی گنجائش نہیں ہے بلکہ اعتدال کی راہ کو اپنایا گیا ہے۔ اسلام نے ہر فرد کے تمام مسائل چاہے وہ فردی ہو یا اجتماعی، سیاسی یا اقتصادی سب پر قوانین وضع کے لئے ہیں اور انسان کے مستقبل کے لئے ہ مکمل اسلوب دیا ہے۔علامہ طباطبائی لکھتے ہیں:

> "انسان کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک ایسا دن آئے گا جس دن انسانی معاشرہ عدل و انصاف سے بھر جائے گا اور لوگ آپس میں صلح و محبت سے زندگی گزاریں گے اور افراد نعمتوں اور کمالات سے مالامال ہوں گے۔البتہ یہ صورتحال خود انسانی افعال سے پیدا ہوگی اور ایسے معاشرے کی رہبری بشریت کے اس مسیحا کے ہاتھ میں ہوگی جسے احادیث میں حضرت مہدی علیہ السلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔"[7]

محمد بن عجلان صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: "قائم (قیام کرنے والے) کو اس لئے مہدی (ہدایت کرنے والا) کہا گیا ہے کیونکہ وہ لوگوں کو ایسے آئین کی طرف ہدایت کرے گا جس کو وہ بھلا چکے ہوں گے۔"[8]

خدا کا برگزیدہ دین

قرآن مجید میں اسلام کو خدا کا برگزیدہ دین کہا گیا ہے: "اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور جنہیں کتاب دی گئی ہے انہیں علم حاصل ہوجائے جانے کے بعد آپس کی زیادتی کی وجہ سے اختلاف کیا اور جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتا ہے تو اللہ بے شک جلد حساب لینے والا ہے۔" (3:19) سورہ آل عمران کی آیت نمبر 85 میں ارشاد خداوندی ہے: "اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواہاں ہوگا تو وہ دین اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔" (3:85) یہ آیات اور اس مفہوم کے ساتھ دوسری آیات اس دلالت کرتی ہیں کہ بحث آتے پیغمبر اسلام کے بعد کی تمام شریعتیں منسوخ ہوگئی اور فقط اسلام اس زمانے کا

بر گزیدہ دین ہے اور اسلام کی تعلیمات تمام دنیا میں پھیل چکی ہیں اسلام کی تعلیمات کے ہوتے ہوئے اگر کوئی کسی دوسرے دین کو اختیار کرتا ہے تو وہ آخرت میں یقینا خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اسلام کی فتح کا وعدہ

خداوند متعال نے قرآن کریم میں اسلام کی پوری دنیا پر فتح کا وعدہ کیا ہے یہ وعدہ ابھی تک پوری طرح سے اس دنیا میں پورا نہیں ہوا اور خدا کا یہ وعدہ مسیحی شریعت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بعد وقوع پذیر ہو گا۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے: "رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اسی نے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو براہی لگے۔" (9:33) اس آیت میں رسول سے مراد رسول اکرم ﷺ ہے ہدایت سے آیات بینات ہیں اور دین حق سے مراد دین اسلام ہے خداوند متعال نے اپنے رسول کو دین حق اور ہدایت دے کر بھیجا تاکہ اسی دین کو باقی تمام ادیان پر فتح حاصل ہو جائے اور یہ دین پوری دنیا میں پھیل جائے دین اسلام کا پوری دنیا پر پھیلنا سب سے زیادہ مشرکین کو ناگوار گزرے گا۔

تفسیر قمی میں اسی آیت کے ذیل میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے[9] ابو بصیر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کی قسم اس آیت کی تاویل ابھی تک نازل نہیں ہوئی اور اس وقت تک نازل نہ ہو گی جب تک قائم علیہ السلام خروج نہ کریں۔[10] اس کے علاوہ، خداوند متعال قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: "وہ وہی ہے جن نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے ہر دین پر غالب کر دے گا اور گواہی دینے کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔" (48:28) خداوند تعالی ایک اور جگہ پر تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے وعدہ کرتا ہے تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں اس طرح جانشین ضرور بنائے گا جس طرح ان سے پہلو کو بنایا اور جس دن کو اللہ نے ان کے لئے ہ پسندیدہ بنایا ہے اسے پائیدار ضرور بنائے گا اور انہیں خوف کے بعد امن ضرور فراہم کرے گا وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اختیار کریں گے بس وہی فاسق ہیں۔ " (24:55)

علامہ طباطبائی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "ایک ایسا پاک معاشرہ جو ان صفات اور فضائل کا حامل ہو پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک معرض وجود میں نہیں آیا صرف اور صرف حضرت امام مہدی علیہ سلام کے زمانے میں ایسا ممکن ہے جیسا کہ متواتر روایات میں اس کی پیش گوئی کی گئی ہے۔۔۔ کیونکہ اس آیت کا حق ادا ہو ایسا معاشرہ صرف حضرت مہدیؑ کے ظہور سے ہی منعقد ہو سکتا ہے۔"[11]

بہت سی روایات میں یہ بات تاکید کے ساتھ کی گئی ہے یہ وعدہ امام مہدیؑ کے زمانے میں پورا ہوگا۔ حضرت علی علیہ السلام شام کے ایک یہودی عالم کے ساتھ پیغمبر اکرم ﷺ کے معراج کے سفر کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جس میں پیغمبر خدا کی وحی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ خدا پر حق ہے خدا تمہارے دین کو تمام ادیان پر فتح یاب کرے تاکہ مشرق مغرب میں کوئی دین باقی نہ رہے سوائے تمہارے دین کے یا یہ تمھیں جزیہ دیں[12]
پیغمبر اسلام ﷺ عیسائی حاکم یمامہ کو پیشگوئی کرتے ہیں کہ ایک دن اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے گا: واعلم ان دینی سیظھر الی منتھی الخف الحافر یعنی: " جان لو کہ میرا دین اس آخری نکتہ تک غلبہ حاصل کرے گا جہاں تک گھوڑے یا اونٹ جاتے ہیں۔"[13]
اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی اور اسلام بہت کم عرصے میں پھیل گیا اور خدا کی یہ پیشگوئی کے یہ دین پوری دنیا پر غالب آئے گا امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ پوری ہوگی۔ نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "اگر دین اسلام کی فتح لشکر کی کثرت یا قلّت کے باعث نہیں تھی یہ خدا کا دین ہے اور اسی خدا نے اسے فتح سے ہمکنار کیا ہے اور حق کا لشکر ہے جس کو خدا نے ہمت دی تاکہ وہاں تک پہنچ جائے جہاں تک پہنچنا چاہیے اسلام نے طلوع کیا جہاں تک طلوع کرنا چاہیے تھا۔"
ان آیات اور روایات کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام خدا کا برگزیدہ دین ہے اور خداوند متعال نے وعدہ کیا ہے کہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے گا اور کیوں کہ یہ دین عالمی دین ہے کسی ایک قوم یا علاقے کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ تمام عالم کے لئے قیامت تک کے لئے دین ہے۔ اس لئے خداوند متعال اس کے ماننے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ آخری زمانے میں صرف اور صرف اسلام کی حکومت ہوگی باقی تمام ادیان ختم ہو جائیں گے۔

*****

حوالہ جات

1۔ محمد بن حسن، طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ج6 (قم: جامعہ مدرسین، 1413ق) 418۔
2۔ سید محمد حسین، طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن (قم: اسماعیلیان، 1393ق)468۔
3۔ سید محمد، رضی، نہج البلاغہ، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، خطبہ 118 (گولہ گنج لکھنؤ: تنظیم المکاتب، 2005ء)۔
4- محمد بن یعقوب، کلینی، الکافی (تہران: دار الکتب الاسلامیۃ، 1367ش)59۔

5۔ سید محمد حسین، طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن* ج2 (قم: اسماعیلیان، 1393ق) 6۔
6۔ علی میانجی، احمدی، *مکاتیب الرسول* ج 1 (قم: دار الحدی، 1419ق) 165۔
7۔ سید محمد حسین، طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن* ج2 (قم: اسماعیلیان، 1393ق) 221۔
8۔ محمد بن محمد، مفید، *الارشاد* (بیروت: دار المفید، 1414ق) 383۔
9- علی بن ابراہیم، قمی، *تفسیر القمی*، ج1 (قم: دار الکتاب، 1404ق) 289۔
10۔ سید ہاشم بن سلیمان، بحرانی، *تفسیر البرہان*، ج3 (قم: موسسۃ البعثۃ، 1374ش) 407۔
11۔ سید محمد حسین، طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج15 (قم: اسماعیلیان، 1393ق) 115۔
12۔ محمد باقر، مجلسی، *بحار الانوار*، ج10 (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1403ق) 44-
13۔ علی میانجی، احمدی، *مکاتیب الرسول* (قم: دار الحدیث، 1419ق) 136۔

کتابیات

1) طوسی، محمد بن حسن، التبیان فی تفسیر القرآن، قم، جامعہ مدرسین، 1413ق۔
2) طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، قم، اسماعیلیان، 1393ق۔
3) رضی، سید محمد، نہج البلاغہ، ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی، گولہ گنج لکھنؤ، تنظیم المکاتب، 2005ء۔
4) کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1367ش۔
5) احمدی، علی میانجی، مکاتیب الرسول، قم، دار الحدی، 1419ق۔
6) مفید، محمد بن محمد، الارشاد، بیروت، دار المفید، 1414ق۔
7) قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر القمی، قم، دار الکتاب، 1404ق۔
8) بحرانی، سید ہاشم بن سلیمان، تفسیر البرہان، قم، موسسۃ البعثۃ، 1374ش۔
9) مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1403ق-

فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ-ایک مطالعہ

Qaseeda Meemia of Farzudaq Tameemi - A study

Mazhar Hussain Bhadro
Dr. Muhammad Abid Nadeem

Abstract:

Allama Usaid-ul-Haq Badayuni (1975-2014) was a great Islamic thinker, researcher and religious scholar. He wrote 14 Islamic books were on academic and research works. 17 books were arranged and prefaced by him۔ 12 books were translated and reviewed by him۔ 22 books were completed under his supervision. His book "Farzudaq Tameemi ka Qaseeda Meemia", is informative, literary and research full masterpiece opening of this book consists of its preface and informative speech regarding its Qaseeda Meemia. After this, introduction of Imam Zain ul Abideen (R۔A) with historical evidence is demonstrated. The different way of Qaseeda Meemia is analyzed and its punctuation is also brought to be acquainted. Regarding its reference, the opinions of ancient and letters are included۔ as academic reference, this book will always be remembered in history of Indo-Pak.

Key words: *Imam Zain-ul-Abideen, Farzudaq Tameemi, Qaseeda Meemia, Sunni, Shia, ancient and letters.*

خلاصہ

علامہ اسید الحق بدایونی (۱۹۷۵ء - ۲۰۱۴ء) ایک اسلامی مفکر، محقق اور عالم دین تھے۔ آپ نے چودہ اسلامی کتب تالیف کیں، سترہ کتب کی ترتیب وتقدیم سرانجام دی، بارہ کتب کا ترجمہ اور تخریج مکمل کی اور بائیس کتب اپنی زیر نگرانی مکمل کروائیں۔ علامہ اسید الحق بدایونی کی کتاب "فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ" ایک علمی، ادبی اور تحقیقی شاہکار ہے۔ اس کتاب میں سب سے پہلے قصیدہ میمیہ کے حوالے سے تمہیدی اور تعارفی گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے بعد امام زین العابدینؒ کا تعارف تاریخی شواہد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں قصیدہ میمیہ کے مختلف طرق کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے رموز واو قاف سے متعارف کروایا گیا ہے۔ اس ضمن میں متقدمین اور متاخرین کی آراء کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو پاک وہند کی تاریخ میں ایک علمی حوالے کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

کلیدی کلمات: امام زین العابدینؒ، فرزدق، تمیمی، قصیدہ، میمیہ۔

خاندانی پس منظر

علامہ اسید الحق بدایونی اترپردیش کے تاریخی شہر بدایوں کے معروف عثمانی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔آپ کا سلسلہ نسب سینتیس واسطوں سے خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ تک پہنچا ہے۔آپ کے جدامجد مولانا فضل رسول بدایونی تک آپ کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے۔ علامہ اسید الحق بدایونی بن علامہ عبدالحمید محمد سالم بن مولانا عبدالقدیر قادری بن مولانا عبدالقادر قادری بن مولانا فضل رسول قادری۔[1] خانوادہ عثمانیہ کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطریؒ تھے جو ۵۹۹ھ/ ۳۔۱۲۰۲ء میں قطر سے ترک سکونت کرکے سلطان شمس الدین التمش کے لشکر کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ابتدامیں لاہور میں سکونت پذیر ہوئے، پھر سلطان کے مسلسل اصرار پر بدایوں تشریف لائے حکومت کی جانب سے عہدہ قضاء تفویض کیا گیا۔ قاضی دانیال قطریؒ خواجہ عثمان ہرویؒ کے مرید وخلیفہ اور خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے برادر طریقت تھے۔ قاضی دانیال قطریؒ کے خاندان میں علماء، فضلاء، اہل اللہ، ادباء اور قومی سطح کے قائد پیدا ہوتے رہے ہیں جن میں مولانا عبدالمجید بدایونی (۱۲۶۳ھ)، مولانا فضل رسول بدایونی (۱۲۸۹ھ)، مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی (مفقود: ۱۲۷۴ھ)، مولانا عبدالقادر بدایونی (۱۳۱۹ھ)، مولانا عبدالمقتدر قادری (۱۳۳۴ھ)، مولانا عبدالماجد بدایونی (۱۳۵۰ھ)، مولانا عبدالقدیر قادری (۱۳۷۹ھ) مفتی اعظم حیدرآباد دکن، مولانا عبدالحامد بدایونی (۱۳۹۰ھ) سرفہرست ہیں۔[2]

ولادت

آپ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶ مئی ۱۹۷۵ء کو مولوی محلّہ بدایوں میں پیدا ہوئے۔[3]

تعلیم وتربیت

آپ نے حفظ قرآن مدرسہ قادریہ بدایوں سے ۱۹۸۹ء میں مکمل کیا۔ مدرسہ قادریہ بدایوں سے ہی درس نظامی کی ابتدا کی اور ۱۹۹۰ تا ۱۹۹۳ء تک یہیں زیر تعلیم رہے۔ بعدازاں دارالعلوم نورالحق فیض آباد تشریف لے گئے اور ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۷ء فیض آباد میں درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔ الاجازۃ العالیہ شعبہ تفسیر وعلوم القرآن ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۳ء، جامعہ الازہر قاہرہ (مصر) اور تخصص فی الافتاء، دارالافتاء المصریہ قاہرہ (مصر) سے مکمل کیا۔ جبکہ ۲۰۰۸ء تا ۲۰۰۹ء جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے ایم اے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔[4]

اساتذہ وشیوخ

آپ نے بدایوں، فیض آباد، مصراور بغداد کے یگانہ روزگار علماء اور شیوخ سے استفادہ کیا۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔علامہ عبدالحمید محمد سالم		۲۔خواجہ مظفر حسین رضوی		۳۔ مولانا رحمت اللہ صدیقی

۴۔ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر　۵۔علامہ علی جمعہ (مفتی جمہوریہ مصر) ۶۔پروفیسر عبدالحیٔ فرماوی (مصر)
۷۔پروفیسر علامہ جمعہ عبدالقادر (مصر)　　۸۔پروفیسر علامہ محمود عبدالخالق
حلوہ (مصر) ۹۔پروفیسر علامہ سعید محمد صالح صوابی (مصر)
۱۰۔پروفیسر غلام سید المسیر (مصر)
۱۱۔پروفیسر علامہ طہ حبیشی (مصر)　　۱۲۔پروفیسر علامہ عبدالمعطی بیومی (مصر)
۱۳۔ شیخ محمد صلاح الدین التجانی (مصر)　　۱۴۔ شیخ علی بن حمود الحربی الرفاعی (بغداد)
۱۵۔ شیخ محمد ابراہیم عبدالباعث (مصر) [5]

تلامذہ

آپ کے تلامذہ میں مولانا عطیف قادری، مولانا عزام قادری، مولانا سید عادل محمود کلیمی ، مفتی دلشاد احمد قادری، مولانا مجاہد قادری، مولانا خالد قادری، مولانا عاصم قادری اور عبدالعلیم قادری شامل ہیں۔ [6]

بیعت وخلافت

آپ کا تعلق ایک علمی وروحانی گھرانے سے تھا۔ آپ اپنے والد محترم شیخ عبدالحمید محمد سالم کے دست پیر بیعت ہوئے اور آپ کو خلافت عطا کی گئی۔ شاہ سید یحییٰ حسن قادری برکاتی نے بھی آپ کو خلافت سے نوازا۔ [7]

مناصب وخدمات

مصر سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے بعد جب بدایوں آئے تو آپ کو جامعہ قادریہ بدایوں کا شیخ الحدیث مقرر کیا گیا۔ آپ ضلع بدایوں کے نائب قاضی بھی رہے۔ الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز بدایوں کے ڈائریکٹر کے طور پر بھی کام کیا۔ عربی پینل قومی کونسل برائے اردو حکومت ہند، نئی دہلی کے ممبر بھی رہے۔ الازہر ایجو کیشن سوسائٹی بدایوں کے صدر اور الازہر فاونڈیشن مہار شٹر کے سرپرست کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں۔ نیو ایج میڈیا اینڈ ریسرچ سنٹر دہلی کے ٹرسٹی بھی رہے۔ [8]

رشتہ ازدواج

آپ کا عقد مسنونہ سہسوانی ٹولہ بریلی میں سید محمد نصیر کی دختر کے ساتھ ۱۵ اگست ۲۰۰۴ء بروز اتوار کو ہوا۔ [9]

شہادت وتدفین

آپ ۲ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ/ ۴ مارچ ۲۰۱۴ بروز منگل کو بغداد (عراق) میں شرپسندوں کی اندھی گولی لگنے سے شہید ہوگئے۔ اور ۴ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ/ ۶ مارچ ۲۰۱۴ء بروز جمعرات کو احاطہ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز میں صاحب سجادہ پیر عبدالرحمٰن گیلانی کی زیر نگرانی تدفین عمل میں لائی گئی۔[10]

قلمی خدمات

علامہ اسید الحق بدایونی نے چودہ (۱۴) کتب تصنیف فرمائیں جبکہ سترہ (۱۷) کتب کے ترتیب و تقدیم سرانجام دیں۔ بارہ (۱۲) کتب کا ترجمہ، تخریج، تسہیل و تحقیق کا کام مکمل کیا۔[11]علاوہ ازیں علامہ اسید الحق بدایونی نے بائیس (۲۲) کتب کی تکمیل اپنی زیر نگرانی مکمل کروائی۔

فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ کا خصوصی مطالعہ

اس کتاب میں علامہ اسید الحق بدایونی نے شاعر فرزدق کے قصیدہ میمیہ کے حوالے سے علمی و تحقیقی اسلوب بیان اختیار کیا ہے چونکہ یہ قصیدہ امام زین العابدین علی بن حسینؓ کی شان میں کہا گیا ہے اس لیے علامہ بدایونی نے امام زین العابدینؓ کے احوال و آثار اس انداز میں لکھے ہیں کہ جس سے ان کی زندگی اور ان کے کام کی صحیح روح آشکار ہوجائے۔ اور ایک عام قاری کے سامنے آپؓ کی قوت فیصلہ، صحت افکار سیرت کی تربیت کے لوازم، عزت نفس، ضبط نفس، بے لوث خدمت کا جذبہ اور آپ کی اخلاقی جرأت کا نقشہ آجائے۔

وجہ تالیف

علامہ بدایونی نے کتاب کی وجہ تالیف خود بیان کی ہے۔ چنانچہ تحریر کرتے ہیں: "مصر کے مشہور محدث اور خطیب علامہ ڈاکٹر فواد شاکر محبت اہل بیت پر خطاب کر رہے تھے۔ دوران خطاب انہوں نے صحن کعبہ والے واقعے کی منظر کشی کرکے کچھ اس انداز میں زیر نظر قصیدے کے چند اشعار سنائے کہ پورے مجمع پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ انہوں نے قصیدے کے شاید چار اشعار سنائے تھے۔ جن مین سے صرف تین اشعار سمجھ میں آئے اور چوتھا شعر داد اور نعروں کی گونج میں دب گیا۔ یہ واقعہ غالباً ۲۰۰۱ کہ مجھے اس قصیدے کا ترجمہ کرنا چاہیے"۔[12]

زمانہ تالیف اور اشاعت

مؤلف لکھتے ہیں: "کتب خانہ قادریہ بدایوں (اترپردیش، ہندوستان) میں تھوڑی تلاش و جستجو کے بعد مکمل قصیدہ اور اس کے متعلق کچھ ضروری معلومات دستیاب ہوگئیں۔ میں نے قصیدے کا آسان اردو ترجمہ اور اس کے متعلق بعض ضروری گوشے ایک مضمون کی شکل میں ترتیب دے کر مولانا خوشتر نورانی کو ارسال کیا۔ انہوں نے اگست ۲۰۱۲ء میں ماہنامہ "جام نور" (دہلی، ہندوستان) میں شائع کردیا۔ میں نے اس شائع مضمون

پر نظر ثانی کی۔ قصیدے کے متعلق بعض گوشوں کا اضافہ کیا۔ اس طرح زیر نظر کتاب مرتب ہوئی جو کہ اہل ذوق اور محبان اہل بیت کی خدمت میں حاضر ہے"۔[13] ضروری اضافہ اور دیگر لوازمات کے ساتھ نومبر ۲۰۱۳ء میں پہلی بار تاج الفحول اکیڈمی بدایوں (اترپردیش، ہند) نے شائع کیا جبکہ پاکستان میں جنوری ۲۰۱۴ء میں دارالاسلام لاہور نے شائع کی۔

مؤلف کا تصنیفی لائحہ عمل

اس کتاب سے قبل خانقاہ ماہرہ شریف (اترپردیش، ہندوستان) سے سالنامہ اہل سنت کی آواز کا خصوصی شمارہ اہل بیت اطہار نمبر شائع ہوا۔ اس میں علامہ بدایونی "امام زین العابدینؓ" کی حیات و شخصیت پر ایک جامع مضمون لکھ چکے ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب میں امام زین العابدینؓ کے احوال وآثار کے حوالے سے مفصل بیان کیا ہے۔ بعدازاں قصیدہ میمیہ کے رموز او قاف سے متعارف کروایا ہے۔

اسلوب

فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ اہل بیت خصوصاً امام زین العابدینؓ کی مدحت میں ایک اہم اور منفرد کتاب ہے۔ جو بیک وقت، تاریخ، مناقب اور ادبی حوالے سے کئی علمی موضوعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کتاب میں مؤلف کا انداز بیان تحقیقی، تجزیاتی اور ادبی ہے۔ کتاب کا علمی پایہ بہت بلند ہے۔ دوران تحریر بنیادی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اسلوب تحریر آسان اور عام فہم ہے۔ جس کی بدولت کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسلوب تحریر کے ضمن میں چند ایک نمونے بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

علامہ بدایونی امام زین العابدینؓ کا تعارف بیان کرتے ہوئے کچھ یوں رقمطراز ہیں: "آپؓ خاندانی نجابت و شرافت کے ساتھ ساتھ ذاتی اوصاف و کمالات کی بنیاد پر معاصرین میں نمایاں شرف وفضیلت رکھتے ہیں۔ زہد و تقویٰ، جود و سخا، تواضع وانکساری اور غرباء پروری میں ضرب المثل تھے۔ شب بیداری، عبادت گزاری اور سجدہ ریزی میں ایسے ممتاز ہوئے کہ زین العابدین اور زین السجاد کے القاب سے یاد کیے گئے"۔[14]

علامہ بدایونی امام زین العابدین سے اکتساب علم کرنے والوں کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حافظ ذہبیؒ نے آپ سے روایت کرنے والے ائمہ محدثین میں سے بعض کے اسماء گرامی درج کیے ہیں۔ جن میں آپ کے صاحبزادگان حضرت امام ابو جعفر محمد باقر، حضرت زید شہید، حضرت عمر بن علی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آپؓ سے روایت کرنے والوں میں امام زہری، امام یحییٰ بن سعید، حضرت ہشام بن عروہ اور عمرو بن دینار جیسے ارباب علم وفضل اور اصحاب فقہ وحدیث نمایاں ہیں۔ حکم بن عتیبہ، زید بن اسلم، ابوالزناد، علی بن

جدعان، مسلم البطین، حبیب بن ابی ثابت عاصم بن عبیداللہ، عاصم بن عمر بن قتادہ، قعقاع بن حکیم، ابو حازم الاعرج، عبداللہ بن مسلم بن ہرمز، محمد بن فرات تمیمی اور منہال بن عمرو وغیرہ شامل ہیں۔"[15]

علامہ بدایونی ابوفراس ہمام بن غالب فرزدق تمیمی کے احوال کے ضمن میں اسلاف کے اقوال بیان کیے ہیں۔ ان میں ایک قول شیخ الحرمین ابوعبداللہ قرطبیؒ سے منسوب ہے جس کا مفہوم یہ ہے: " اگر اللہ کے یہاں ابوفراس کا اس قصیدے کے علاوہ کوئی اور عمل نہ بھی ہو تو یہی اس کی مغفرت کے لئے ہ کافی ہوگا۔ کیونکہ یہ سلطان جابر کے روبرو کلمتہ الحق ہے۔"[16] علامہ بدایونی قصیدہ میمیہ کے حوالے سے کچھ یوں رقمطراز ہیں: " عروضی حیثیت سے یہ قصیدہ بحر بسیط میں ہے، عربی قصیدے کے جو عناصر ترکیبی ہیں یعنی تشبیب، گریز، دعا وغیرہ وہ اس میں نہیں ہیں کیونکہ یہ ایک خاص موقع پر برجستہ کہا گیا تھا اور اس وقت صرف مدح مقصود تھی۔ اس لیے اس میں تشبیب وغیرہ نظم نہیں کی گئی۔ ایسے قصیدوں کو اصطلاح میں "مقتضب" کہتے ہیں۔"[17]

مضامین کتاب

علامہ بدایونیؒ نے کتاب کے پہلے حصے میں زین السجاد، امام زین العابدینؑ کی حیات و شخصیت کے حوالے سے علمی و تحقیقی گفتگو کی ہے جبکہ دوسرے حصے میں قصیدہ میمیہ کے حوالے سے مفصل معلومات فراہم کی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کتاب مدحت اہل بیت خصوصاً مدحت امام زین العابدینؑ پر مشتمل ہے۔ آپؑ کے نسب مبارک، حالات، نام، کنیت، لقب شیوخ وتلامذہ کے حوالے سے مستند معلومات تحریر کی ہیں۔ ذیل میں اس کا مختصر خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

جود و نوال

علامہ بدایونی جود و نوال کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حافظ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں اپنی سند سے عمر بن دینار کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ محمد بن اسامہ بن زیدؓ سخت بیمار ہوگئے۔ امام زین العابدینؑ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت محمد بن اسامہؓ رونے لگے۔ امام زین العابدینؑ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے بتایا کہ میرے اوپر قرض ہے۔ امام زین العابدینؑ نے پوچھا کہ آپ کے اوپر کتنا قرض ہے؟ انہوں نے جواب دیا پندرہ ہزار دینار امام زین العابدینؑ نے بلاتامل فرمایا کہ آپ بے فکر ہو جائیں۔ وہ قرض اب میرے ذمے ہے۔" [18]

عبادت کی تین قسمیں

علامہ بدایونی نے عبادت کی اقسام کے حوالے سے آپؑ کا ایک قول نقل کیا ہے: "امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں۔ کچھ لوگ اللہ کے خوف کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ غلاموں کی

عبادت ہے۔ کچھ لوگ جنت کی امید پر عبادت کرتے ہیں۔ یہ تاجروں کی عبادت ہے۔ کچھ لوگ محض اللہ کے شکر کے لئے ہ اس کی بندگی کرتے ہیں۔ یہ نہ تاجروں کی عبادت ہے نہ غلاموں کی عبادت ہے۔ بلکہ یہ آزاد مردوں کی عبادت ہے۔"[19]

تفقہ اور ثقاہت

علامہ بدایونی آپؑ کے تفقہ اور ثقاہت کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں: "علماء جرح و تعدیل بہ اتفاق رائے آپؑ کو ثقہ، مامون اور حجت تسلیم کرتے ہیں۔ امام ذہبی نے امام زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے علی بن حسینؑ سے زیادہ فقہیہ کسی کو نہیں دیکھا۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں: حضرت علی بن حسینؑ ثقہ اور مامون تھے۔ کثیر الحدیث، عالی المرتبت، رفیع القدر صاحب ورع تھے۔"[20]

عبادت گزاری

علامہ بدایونی نے عبادت گزاری کے حوالے سے عنوان قائم کیا ہے۔ جس کے تحت لکھتے ہیں: "مصعب بن عبداللہ امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت زین العابدینؑ دن رات میں ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے۔ ان کا یہ معمول ان کے وصال تک برابر جاری رہا۔ آپؑ کی عبادت گزاری کی وجہ سے آپؑ کا لقب زین العابدین ہوا۔"[21]

اولاد امجاد

علامہ بدایونی آپؑ کی اولاد امجاد کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں: "آپؑ کا عقد حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی شہزادی سے ہوا۔ جن سے حضرت حسن، حضرت حسین اکبر، حضرت امام محمد باقر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم تولد ہوئے۔ آپؑ کی دیگر ازواج سے حضرت عمر، حضرت زید شہید، حضرت علی، حضرت حسین اصغر، حضرت سلیمان، حضرت قاسم رضی اللہ عنہم ہیں۔ آپؑ کی صاحبزادیوں میں سیدہ خدیجہ، سید علیہ (ام علی)، سیدہ کلثوم، سیدہ ملیکہ، سید حسنہ (ام الحسن)، سیدہ ام الحسین اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما شامل ہیں۔"[22]

ابوفراس ہمام بن غالب فرزدق تمیمی

علامہ بدایونی اس عنوان کے تحت شاعر فرزدق تمیمی کا تعارف اور اس کے قصیدے کی افادیت پر گفتگو کی ہے۔ فرزدق کی شاعری کے متعلق اہل ادب کا ایک مشہور قول نقل کرتے ہیں: "اگر فرزدق کی شاعری نہ ہوتی تو عربی زبان کا تہائی حصہ تلف ہو جاتا۔"[23]

قصیدہ میمیہ باعث نجات اور ذخیرہ آخرت

علامہ بدایونی نے اس عنوان کے تحت متقدمین اور متاخرین کی آراء کو نقل کیا ہے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کا قول اس قصیدے کے بارے میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "امید ہے پروردگار تعالیٰ آخرت میں فرزدق کی اس قصیدے کی بنیاد بخشش فرمادے گا۔"[24]

قصیدے کے انتساب کا قضیہ

علامہ بدایونی قصیدہ میمیہ کے انتساب کے حوالے سے بڑی علمی و تحقیقی گفتگو کی ہے۔ انتساب کے حوالے سے مختلف علماء، فقہاء اور محدثین کی آراء کی تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ چند ایک کی آراء درج ذیل ہیں:

1. حافظ ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے "حلیۃ الاولیاء" میں امام زین العابدین کے تذکرے کے ضمن میں صحن کعبہ کا واقعہ نقل کرکے قصیدے کے (۸) آٹھ اشعار درج کیے ہیں۔ شاعر کی حیثیت سے فرزدق اور ممدوح کی حیثیت سے امام زین العابدینؓ کا ذکر کیا ہے۔
2. ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) نے "وفیات الاعیان" میں پورا واقعہ ذکر کرکے مکمل قصیدہ نقل کیا ہے۔ فرزدق کو شاعر اور امام زین العابدینؓ کو ممدوح قرار دیا ہے۔
3. امام یافعیؒ (م ۷۶۸ھ) نے بھی "مراۃ الجنان" میں واقعے کے ساتھ مکمل قصیدہ نقل کیا ہے۔ آپ نے بھی واقعہ فرزدق اور امام زین العابدینؓ سے منسوب کیا ہے۔
4. حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) نے "البدایہ والنہایہ" میں الصولی اور جریری کے طرق کے حوالے سے امام زین العابدینؓ، ہشام اور فرزدق کا واقعہ ذکر کرکے فرزدق کے نام سے مکمل قصیدہ نقل کیا ہے۔[25]

قصیدے کا منظوم فارسی ترجمہ

علامہ بدایونی اس عنوان کے تحت رقمطراز ہیں: "مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے اپنی مصروف کتاب "سلسلۃ الذہب" میں امام زین العابدینؓ اور ہشام بن عبدالملک کے اس پورے واقعے کو بطور مثنوی نظم کیا ہے۔ اس میں انہوں نے قصیدے کے مفہوم کو بڑی عمدگی اور خوبی سے فارسی نظم کے کالم میں ڈھال دیا ہے۔ یہ مثنوی ۱۸۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار نقل بھی کیے ہیں۔

ناگہاں نخبۂ نبی وولی　　　زین عباد بن حسین علی
در کسائے بہائے حلہ نور　　　بر حریم حرم فگند ظہور
ہر طرف می گذشت بہر طواف　　　در صف خلق می فتاد شگاف

زد قدم بہر استلام حجر　　　　گشت خالی ز خلق راہ گذر[26]

قصیدہ میمیہ کی تخمیس اور شروح

فرزدق کے اس فنی شہ پارے کی مقبولیت اور شہرت کے پیش نظر علماء ادباء اور شعراء نے اس کی شروح، تضمین اور دیگر زبانوں میں اس کے ترجمے کیے ہیں۔ ان کاوشوں کے مصنفین اہل سنت اور اہل تشیع دونوں مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔علامہ بدایونی تخمیس اور شروح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ""تضمین کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی قصیدے کے اشعار پر تین مصرعے لگا کر اس کو خمسے کی شکل دی جائے۔ عربی میں اس صنف کو تخمیس کہتے ہیں۔ علامہ بدایونی تخمیس کے حوالے سے لکھتے ہیں۔"آغا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب "الذریعۃ الیٰ تصانیف الشیعہ" میں اس قصیدے کی تخمیس کرنے والے مندرجہ ذیل پانچ شیعی شعراء کا ذکر کیا ہے:

1. الشیخ محمد بن اسماعیل ابن خلفہ (م: ۱۲۴۲ھ)
2. السید ابوالفتح نصر اللہ بن الحسین الموسوی الحائری (۱۱۶۸ھ)
3. السید راضی بن السید صالح القزوینی النجفی (م: ۱۲۸۷ھ)
4. مصطفیٰ بن الجواد الخالصی (س۔ن)
5. الشیخ درویش علی البغدادی "[27]

علامہ بدایونی شروح کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ: "کتب خانہ شیعہ کے مؤلفین نے قصیدہ میمیہ کی مندرجہ ذیل شروع کا ذکر کیا ہے:

1. شرح قصیدہ الفرزدقیہ المیمیۃ: میرزا ابوالحسین بن حسین جیلانی۔ (م: ۱۳۱۳ھ)
2. شرح قصیدہ الفرزدق: سید علی خان مدنی (م: مابعد ۱۱۱۸م)
3. شرح قصیدہ الفرزدق: فاضل علی رضا تبیان الملک رضائی (م: مابعد ۱۳۰۶ھ)
4. شرح قصیدہ الفرزدق: ملا علی قاریوز آبادی قزوینی (م: ۱۲۹۰ھ)
5. شرح قصیدہ الفرزدق: قاسم رسائی بن حسین مشہدی (س۔ن)
6. شرح قصیدہ الفرزدق: علی بن محمد بن ابراہیم سبیبنی عاملی (م: ۱۳۰۳ھ)
7. شرح قصیدہ الفرزدق: میرزا محمد بن سلیمان تنکابنی (م: ۱۳۲۰ھ)
8. شرح قصیدہ الفرزدق: محمد شفیع بن محمد علی استر آبادی (م: ۱۰۷۵ھ)
9. شرح قصیدہ الفرزدق: محمد بن طاہر سماوی (م: ۱۳۹۰ھ)"[28]

شرح قصیدہ میمیہ از جمیل احمد بلگرامی

مولانا جمیل احمد بلگرامی کی اس شرح کا نام " دُرِّ نضید شرح قصیدہ فرزدق تمیمی" ہے۔ اس کے مصنف انیسویں صدی کے ایک عالم مولانا جمیل احمد بلگرامی ہیں۔ یہ شرح فارسی میں ہے علامہ بدایونی اس شرح کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں: " مصنف کا طریقہ یہ ہے کہ شعر نقل کرنے کے بعد پہلے وہ " تقطیع" کے عنوان سے شعر کی عروضی حیثیت واضح کرتے ہیں۔ پھر مفردات کی لفظی اور معنوی تشریح کرتے ہیں۔ پھر "نحو" کا عنوان دیکر شعر کی ترکیب نحوی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد "صفی" کے عنوان سے شعر میں موجود بعض وجوہ بلاغت اور نحوی وصرفی لطائف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔"[29]

تخمیس قطب الدین فی مدح سید نازین العابدینؑ

علامہ بدایونی اس تخمیس کے حوالے سے لکھتے ہیں: "علامہ قطب الدین محمود علی ابن میر غیاث علی حیدرآبادی ملخص بہ فاضل نے قصیدہ میمیہ کی تضمین بطور خمسہ کی ہے۔ ساتھ ہی فارسی زبان میں (اپنے خمسے سمیت) قصیدے کی شرح کی ہے۔ ابتدامیں تمہید کے بعد ایک مقدمہ لکھا ہے جو تین فوائد پر مشتمل ہے:

فائدہ اول:	در بیان بحر و قافیہ
فائدہ دوم:	در بیان معنی قطعہ و قصیدہ بحسب اصطلاح عرب و عجم
فائدہ سوم:	در سبب نظم ایں قصیدہ۔[30]

قصیدے کے بعض دیگر پہلو

علامہ بدایونی اس عنوان کے تحت قصیدے کے اشعار کی تعداد کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں: "جن حضرات نے یہ قصیدہ نقل کیا ہے، ان کی نقل میں اشعار کی تعداد اور ترتیب دونوں میں اختلاف ہے۔ یافعی نے "مراۃ الجنان" میں ۲۵، ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں ۲۷، اور ابن کثیر نے "ابتدایہ والنہایہ" میں ۲۸ اشعار نقل کیے ہیں جبکہ "دیوان فرزدق" میں ۲۷ اور مولانا جمیل احمد بلگرامی کی شرح " دُرِّ نضید " میں ۲۹ اشعار ہیں۔ ان تمام کتابوں میں مروجہ اشعار کی تعداد ۳۰ ہے اور سب سے زیادہ اشعار " دُرِّ نضید " میں ۲۹ ہیں۔[31]

قصیدہ میمیہ کا متن مع ترجمہ

علامہ بدایونی قصیدہ میمیہ کے تیس (۳۰) اشعار کا متن مع اردو ترجمہ نقل کیا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

هذا ابن فاطمة ان کنت جاهله — بجده انبیاء الله قد ختموا

"یہ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراؑ کے لخت جگر ہیں اگر تو ان کو نہیں جانتا (تو سن لو کہ) ان کے محترم نانا (حضور اکرم ﷺ) پر انبیاء کرام کے سلسلے کا اختتام ہوا ہے۔"

فلیس قولك من هذا بضائره		العرب تعرف من انكرت والعجم

"تمہارا یہ کہنا یہ کون ہیں؟ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، جس ذات گرامی کو پہچاننے سے تو انکار کر رہا ہے ان کو عرب و عجم سب جانتے ہیں۔" [32]

من معشر حبهم دين وبغضهم		كفر وقربهم منجى ومعتصم

"وہ تو اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی محبت عین ایمان ہے۔ اور ان سے بغض کفر ہے۔ اور ان کا قرب جائے پناہ اور سہارا ہے۔"

لايستطيع جواد بعد غايتهم		ولا يدانيهم قوم وان كرموا

"کوئی جواں مرد اور سخی ان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ کوئی قوم ان کے قریب پہنچ سکتی ہے؛ اگرچہ کتنی ہی بزرگی والی کیوں نہ ہو۔" [33]

مقدم بعد ذكر الله ذكرهم		في كل بدء ومختوم به الكلم

اللہ کے ذکر کے بعد انہی کا ذکر سب سے مقدم ہے۔ اس کے ذریعے آغاز ہوتا ہے اور اسی پر گفتگو ختم ہوتی ہے۔"

ايّ الخلائق ليست في رقابهم		لاوّلية هذا اوله نعم

"مخلوق میں وہ کون ہے جو ان کی غلامی میں نہیں ہے۔ ان کی اولیت و تقدم کی وجہ سے یا پھر ان کے احسانات کی وجہ سے۔"

یہ شعر "مراۃ الجنان" میں نہیں ہے۔ [34]

اختتام کتاب

علامہ بدایونی نے کتاب کے آخر میں مصادر و مراجع درج کیے ہیں۔ تمام مصادر و مراجع بنیادی ہیں جو کہ اس علمی و تحقیقی کاوش کو ایک عام قاری کے ذوق مطالعہ کو جلا بخشنے کے لئے ہ کافی ہے۔

فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ کے مصادر و مراجع

کسی بھی کتاب کی اہمیت وافادیت میں اس کتاب کے مصادر و مراجع کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ کے مصادر و مراجع بھی اس کی اہمیت و مقبولیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ حوالہ جات میں فٹ نوٹ کا طریقہ اختیار کیا

گیا ہے۔ یہ علمی و تحقیقی شاہکار جن سرچشموں سے سیراب ہوا ہے اس کی تفصیل کتاب کے آخر میں موجود ہے۔ ذیل میں برائے استشہاد مصادر و مراجع کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مؤلف کی محنت شاقہ اور وسعت مطالعہ کا اندازہ ہو سکے۔

1. احوال ائمہ اثنا عشر: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مرتب و ناشر خسرو قاسم، علی گڑھ غیر مورخ
2. الآغانی: ابوالفرج اصفہانی، مطبعۃ التقدم؛ قاہرہ، غیر مؤرخ
3. البدایۃ والنہایۃ: اسماعیل ابن کثیر دمشقی، تحقیق ڈاکٹر عبداللہ بن المحسن الترکی دار ہجر، جیزہ، مصر ۱۹۹۸ء
4. تاریخ ادب عربی: احمد حسن زیارت، ترجمہ سید طفیل احمد مدنی، الہ آباد، ۱۹۸۵ء
5. تاریخ ادبیات عربی: سید ابوالفضل، انجمن فیضان ادب حیدرآباد، دکن، طبع یازدہم، ۲۰۰۹ء
6. تاریخ الخلفاء: جلال الدین سیوطی، مطبع قیومی کانپور، ۱۹۲۵ء
7. تخمیس قطب الدین فی مدح سید نا زین العابدین: قطب الدین محمود علی حیدرآباد ظفر پریس حیدرآباد، ۱۳۱۶ھ
8. التخمیس المقبول فی مدح ابن الرسول: قطب الدین محمود علی حیدرآبادی، ۱۳۲۲ھ
9. تذکرہ الحفاظ: حافظ شمس الدین ذہبی، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۰۹ھ
10. حلیۃ الاولیاء: ابونعیم اصفہانی، دارالفکر بیروت، ۱۹۹۶ء
11. درنضید: جمیل احمد بلگرامی، مطبع نول کشور کانپور، ۱۸۷۳ء
12. دیوان فرزدق: مشمولہ خمسہ دواوین، المطبعۃ الوھبیۃ قاہرہ، ۱۲۷۳ء
13. الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ: آغا بزرگ طہرانی، المکتب العلوی، طہران
14. سلسلۃ الذہب: عبدالرحمٰن جامی، مطبع نول کشور کانپور، ۱۸۷۴ء
15. سیر أعلام النبلاء: حافظ شمس الدین ذہبی، بیت الافکار الدولیہ، ریاض
16. شرح دیوان الحماسہ: خطیب تبریزی، مطبع بولاق مصر ۱۲۹۶ھ
17. الشعر والشعراء: ابن قتیبہ الدینوری، تحقیق احمد محمد شاکر، دارالمعارف قاہرہ طبع ثانی، غیر مؤرخ
18. الطبقات الکبریٰ: محمد بن سعد بن منیع، مکتبہ خانجی قاہرہ، ۲۰۰۱ء
19. المؤتلف والمختلف الآمدی: تحقیق ڈاکٹر ف، کرنکو، دارالجیل بیروت، ۱۹۹۱ء
20. مرأۃ الجنان: الیافعی، دائرہ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۷ھ
21. المعجم الکبیر: الطبرانی، تحقیق حمدی عبدالمجید سلفی، مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ
22. معجم المؤلفین: عمر رضا کحالہ، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۹۹۳ء
23. نسب قریش: المصعب الزبیری، دارالمعارف قاہرہ، طبع ثانی، غیر مؤرخ

24. النسب والمصاھرۃ بین اھل بیت والصحابۃ: علاء الدین المدرس، موسسۃ المختار، قاہرہ، ۲۰۰۵ء
25. وفیات الاعیان: ابن خلکان، تحقیق ڈاکٹر احسان عباس، دار صادر بیروت، ۱۹۷۷ء

خصوصیات کتاب

کتاب درج ذیل خصوصیات کی حامل ہے:

1. مؤلف نے قصیدہ میمیہ کے متعلق تمام مصادر کا وسیع مطالعہ کیا ہے جن تک ان کی دسترس ممکن ہو سکی۔
2. جگہ جگہ زیر بحث موضوع پر مزید تفصیلات کے لئے اس موضوع کے متعلق کتب کے حوالے دیے ہیں۔
3. مؤلف نے تحقیقی اسلوب کے ساتھ ساتھ مورخانہ اسلوب کو بہترین طریقے سے اپنایا ہے تاکہ ایک عام قاری کو سمجھنے میں آسانی ہو۔
4. مؤلف نے بنیادی مصادر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔
5. کتاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں روایتی کتب کی طرح فضائل ومناقب سے ہی صفحات کو نہیں بھرا گیا بلکہ حتی المقدور اس چیز سے اجتناب کیا گیا ہے۔
6. اس قصیدے پر جتنا بھی کام آج تک ہوا ہے مؤلف نے اس کی مفصل معلومات اس کتاب مین درج کی ہیں۔
7. مؤلف نے فرزدق تمیمی کے حوالے مفصل اور سیر حاصل گفتگو کی ہے۔
8. مؤلف نے قصیدہ میمیہ کے اشعار کی تعداد کے حوالے سے بھی تحقیقی انداز اپنایا ہے۔
9. اگر کسی مقام پر کوئی بات وضاحت طلب ہے یا پھر اضافی معلومات درکار ہیں تو حواشی میں اس کی تفصیل درج کی ہے جیسا کہ صفحہ ۲۸ پر حزین کنانی کی وضاحت حواشی میں تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عمرو بن عبید بن وہب بن مالک ابوالحکم شعرائے بنوامیہ میں تھا۔ ۹ہجری میں فوت ہوا۔ قصیدہ میمیہ کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے جو کہ باطل ہے۔"[35]

خفیف نکات

اگرچہ کتاب بے شمار خوبیوں سے مزین ہے۔ مگر اس میں چند ایک خفیف نکات بھی پائے جاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. اکثر مقامات پر مؤلف نے حوالہ جات کی مکمل تفصیلات فراہم نہیں کیں۔ صرف کتاب کا نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے مثلاً صفحہ ۱۳ پر حوالہ نمبر ۱ البدایہ والنہایہ، ج ۱۲/ ۴۷۹ درج ہے۔ مصنف اور اشاعتی ادارہ درج نہیں کیا۔ اسی طرح صفحہ ۲۵، حوالہ نمبر ۲۷ وفیات الاعیان، ج ۶/ ۹۷ درج ہے۔ یہاں بھی مصنف اور اشاعتی ادارہ درج نہیں ہے۔

2. فہرست مصادر و مراجع میں بعض کتب کا سن اشاعت درج نہیں ہے۔ مثلاً صفحہ ۴۶ سیریل نمبر ۲۳ پر نسب قریش، المعصب الزبیری دارالمعارف قاہرہ، طبع ثانی لیکن سن اشاعت درج نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر مقامات پر مؤلف کے یہ سقم نظر آتے ہیں لیکن فہرست مصادر و مراجع میں بعض تفصیلات کی دستیابی سے کسی حد تک تلافی ہو جاتی ہے۔
3. ان فضائل و مناقب اور واقعات کو صرف نظر کیا گیا ہے جو عوام الناس میں زبان زد عام رہتے ہیں۔ صرف تحقیقی حوالے سے اندراج کیا گیا ہے۔
4. مؤلف نے اس کتاب میں فارسی لٹریچر نقل کیا ہے مگر اس کا ترجمہ نہیں دیا جو کہ عام قاری کے لئے ہ دقت کا باعث ہے۔ مثلا صفحہ ۳۴، ۳۳ پر مولانا عبدالرحمٰن جامی نے جو قصیدہ میمیہ کا فارسی ترجمہ کیا تھا اس کو نقل کیا ہے لیکن اس کا اردو ترجمہ نہیں دیا۔ جو یقیناً ایک عام قاری کے لئے ہ مشکل کا باعث ہے۔
5. مؤلف نے مولانا جمیل احمد بلگرامی کی شرح "دُرِّ نضید" کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کی کوئی عبارت بطور حوالہ کتاب میں درج نہیں کی۔
6. مؤلف نے قصیدہ میمیہ کی تخمیس اور شروح کرنے والے شعراء اور مؤلفین کا ذکر کتاب میں کیا ہے لیکن بعض کے سنین وفات درج نہیں کیے۔ مثلا صفحہ ۳۴ پر تخمیس کرنے والے شعراء کا ذکر کیا ہے وہاں پر سیریل نمبر ۴ پر مصطفیٰ بن الجواد الخالصی کا سن وفات درج نہیں ہے۔ اسی طرح شروح کے مؤلفین کے تذکرے میں صفحہ ۳۵ سیریل ۴ پر شرح قصیدہ الفرزدق: قاسم رسائی بن حسین مشہدی کا سن وفات درج نہیں ہے۔ جس سے اس بات کا تعین کرنا مشکل ہے کہ یہ تخمیس یا یہ شرح کس زمانے میں قلم بند کی گئی۔

خلاصہ کلام

فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ کا تحقیقی و تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مدحت امام زین العابدینؑ اور قصیدہ میمیہ کے حوالے سے علامہ بدایونی کی ایک شاہکار تالیف ہے۔ جس میں مؤلف نے روایتی ڈگر سے ہٹ کر تحقیقی اور تجزیاتی اسلوب کو پیش نظر رکھا ہے۔ اسلوب تحریر آسان اور عام فہم ہے۔ جس کی وجہ سے ایک عام قاری آسانی سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ اردو زبان میں مدحت اہل بیت خصوصاً مدحت امام زین العابدینؑ اور قصیدہ میمیہ کے حوالے سے انتہائی مدلل اور جامع معلومات کا خزانہ ہے اس لیے علمی حلقوں میں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ فرید اقبال، قادری، شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن، مجلّہ بدایوں، شہید بغداد نمبر 2014ء، ندارد، ندارد(2014):80۔

2۔ مولانا دلشاد احمد، قادری، خانوادہ عثمانیہ تعارف وخدمات، ماہنامہ جام نور عالم ربانی نمبر، ج11، شمارہ132(اپریل2014ء):72۔

3۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، خیرآبادیات، مکتبہ اعلیٰ حضرت، ندارد، ندارد(2011): 262۔

4۔ صاحبزادہ محمد عزام، قادری،آئینہ حیات عالم ربانی، ماہنامہ جام نور عالم ربانی نمبر، ج11، شمارہ132،(2014،) 96۔

5۔ علامہ اسیدالحق، بدایونی، تحقیق و تفہیم، دارالاسلام لاہور، ندارد، ندارد(2016): 426۔

6۔ صاحبزادہ محمد عزام، قادری،آئینہ حیات عالم ربانی، ماہنامہ جام نور، عالم ربانی نمبر، ندارد، ندارد،(ندارد): 97۔

7۔ علامہ اسیدالحق، بدایونی، تحقیق و تفہیم، دارالاسلام لاہور، ندارد، ندارد(2016): 425۔

8۔ صاحبزادہ محمد عزام، قادری،آئینہ حیات ربانی، ماہنامہ جام نور، عالم ربانی نمبر، ندارد، ندارد،(ندارد): 97۔

9۔ مولانا اسیدالحق، قادری، عطیف، شخص و عکس، ماہنامہ جام نور، عالم ربانی نمبر، ندارد، ندارد(ندارد): 109۔

10۔حافظ عبدالقیوم، قادری، ،خون کے آنسو رولا گئے ہو تم، مجلّہ بدایوں، شہید بغداد نمبر، ندارد، ندارد، (ندارد): 66۔

11۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، تحقیق و تفہیم، دارالاسلام لاہور، ندارد، ندارد(2016): 428۔

12۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 7

13۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 8

14۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 13

15۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 15

16۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 26

17۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 38

18۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 16

19۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 18

20۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 19

21۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 21

22۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 22

23۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 24

24۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 26

25۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 29

26۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 33

27۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 34

28۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 35

29۔علامہ اسیدالحق، بدایونی، ،فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ،بدایوں ہند،ندارد، ندارد،(2013): 36

30۔علامہ اسید الحق، بدایونی، ، فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ، بدایوں ہند، ندارد، ندارد، (2013): 37
31۔علامہ اسید الحق، بدایونی، ، فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ، بدایوں ہند، ندارد، ندارد، (2013): 38
32۔علامہ اسید الحق، بدایونی، ، فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ، بدایوں ہند، ندارد، ندارد، (2013): 41
33۔علامہ اسید الحق، بدایونی، ، فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ، بدایوں ہند، ندارد، ندارد، (2013): 43
34۔علامہ اسید الحق، بدایونی، ، فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ، بدایوں ہند، ندارد، ندارد، (2013):44
35۔علامہ اسید الحق، بدایونی، ، فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ، بدایوں ہند، ندارد، ندارد، (2013): 28

کتابیات

1. قادری، فرید اقبال، شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن، مجلّہ بدایوں، شہید بغداد نمبر 2014ء، ندارد، ندارد (2014)۔
2. قادری، مولانا دلشاد احمد، خانوادہ عثمانیہ تعارف وخدمات، ماہنامہ جام نور عالم ربانی نمبر، ج11، شمارہ132 (اپریل 2014ء)۔
3. بدایونی، علامہ اسید الحق، خیر آبادیات، مکتبہ اعلیٰ حضرت، ندارد، ندارد (2011)۔
4. قادری، صاحبزادہ محمد عزام، آئینہ حیات عالم ربانی، ماہنامہ جام نور عالم ربانی نمبر، ج11، شمارہ132، (2014ء)۔
5. بدایونی، علامہ اسید الحق، تحقیق و تفہیم، دارالاسلام لاہور، ندارد، ندارد (2016)۔
6. قادری، صاحبزادہ محمد عزام، آئینہ حیات ربانی، ماہنامہ جام نور، عالم ربانی نمبر، ندارد، ندارد، (ندارد)۔
7. قادری، مولانا اسید الحق، عطیف، شخص و عکس، ماہنامہ جام نور، عالم ربانی نمبر، ندارد، ندارد (ندارد)۔
8. قادری، حافظ عبد القیوم، خون کے آنسو رولا گئے ہو تم، مجلّہ بدایوں، شہید بغداد نمبر، ندارد، ندارد، (ندارد)۔
9. بدایونی، علامہ اسید الحق، فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ، ، بدایوں ہند، ندارد، ندارد، (2013)۔

سید جعفر مرتضیٰ عاملی، ایک منفرد سیرت نگار

Syed Jafar Murtadha Amoli: A Distinguished Biographer

Muhammad Shareef

Dr. Hafiz MNuhammad Sajjad

Abstract:

Seyed Murtadha Amoli who has passed away recently was born at Jabl Amil in Lebanon. He was a distinguished biographer and researcher of the 21st century. He was famous for his unique style of biography. He wrote a 35 volume book on the life of the Holy Prophet (PBUH), entitled as Al-Sahi Min Sirat al-Nabi al-A'azam. He also wrote many other books on the sirat. Drawing on his research and arguments, he claims that there are many unauthentic traditions in the existing literature on Islamic history and sirat. He has relied only on authentic traditions in his works. Some of his works have been introduced in this article, including Al-Sahi Min Sirat al-Nabi al-A'azam.

Key words: *Jafar Murtadha Amoli, Al-Sahi Min Sirat al-Nabi al-A'azam, Al-Sahi min Sirat al-Imam Ali, Al-Hayat al-Siyasiyah li al-Imam al-Hasan, Al-Sahi min Sirat al-Imam al-Hussain, Al-Hayat al-Siyasiyah li al-Imam al-Rida.*

خلاصہ

سید جعفر مرتضیٰ عاملی (رحمۃ اللہ علیہ) جنہوں نے حال ہی میں وفات پائی ہے، لبنان کے علاقہ جبل عامل میں پیدا ہوئے۔ آپ اکیسویں صدی کے ایک منفرد محقق اور سیرت نگار تھے۔ ان کی وجہ شہرت ان کی منفرد سیرت نگاری ہے۔ رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ پر انہوں نے 35 جلدوں پر مشتمل کتاب ''الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ'' لکھی ہے۔ اسی طرح انہوں نے سیرت نگاری میں کئی دیگر کتب بھی تالیف کی ہیں۔ وہ اپنی تحقیق اور دلائل کی روشنی میں اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہمارے پاس موجودہ کتب سیرت و تاریخ میں بہت سی ضعیف اور غیر صحیح روایات نقل ہوئی ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان تمام روایات میں تحقیق کرکے صحیح روایات کے ساتھ سیرت کے پہلوؤں کو لکھا ہے۔ اس مقالہ میں بشمول الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ آپ کے بعض آثار کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: جعفر مرتضیٰ عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، سیرت، الصحیح من سیرۃ الامام علی علیہ السلام، الحیاۃ السیاسیۃ للامام الحسن (ع)، الصحیح من سیرۃ الامام الحسینؑ، الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا۔

تعارف

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری انبیاء کرام کو سونپی تھی۔ سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد اس امت کے علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ انبیاء کرام جس کام کے لئے مبعوث ہوئے تھے اسی کی ترویج و تبلیغ کی ذمہ داری اب علماء کے کندھوں پر ہے۔ یہ علماء اور محققین ہی ہیں جو اسلامی تعلیمات کو سیکھ، سمجھ کر معاشرے تک پہنچاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اہل علم کو علم نہ رکھنے والوں پر برتری اور فضیلت دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (39:9) ترجمہ: "کہہ دیجئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟" یقینا جاننے والوں کا مقام و مرتبہ نہ جاننے والوں سے بہت بلند و برتر ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی علماء کی اہمیت اور فضیلت بیان ہوئی ہے۔ زمانہ رسولؐ کے بعد سے لے کر اب تک اسلامی تاریخ میں بڑے جید علماء گزرے ہیں جنہوں نے دین مقدس اسلام کی ترویج و اشاعت میں اپنی زندگیاں صرف کی ہیں۔ عالم اسلام کی ان تابناک شخصیات میں سے ایک شخصیت علامہ سید جعفر مرتضٰی الحسینی عاملی بھی تھے جو اسی سال ماہ صفر کی اٹھائیس تاریخ کو وفات پا گئے۔ آپ بڑے درجے کے محقق اور کئی ضخیم کتابوں کے مؤلف و مصنف تھے۔ پیش نظر مقالہ میں آپ کی علمی خدمات کا تعارف کروایا گیا ہے۔

زندگینامہ

آیت اللہ سید جعفر مرتضٰی بن سید مصطفٰی مرتضٰی عاملی کی خاندانی نسبت حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسین بن علی بن ابو طالب (رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے فرزند حضرت زید شہیدؒ کے بیٹے "حسین ذی الدمعہ" تک پہنچتی ہے جو کہ حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسین علیہما السلام کے بیٹے حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے۔ دوسری صدی ہجری کے امامی محدث تھے۔ حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے وقت چار سال یا سات سال کے تھے۔ اپنے بابا کی شہادت پر زیادہ رونے اور آنسو بہانے کی وجہ سے "ذوالدمعہ" کے نام سے معروف ہوئے۔ حضرت زید کی شہادت کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے فرزند کے طور پر ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری لی اور آنحضرت علیہ السلام کے زیر سایہ رہے یہاں تک کہ ایک عظیم عالم اور محدث قرار پائے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسی کاظم علیہ السلام سے روایات نقل کی ہیں، اور خود ان سے ان کے فرزندان عبداللہ، محمد، قاسم، یحیٰی اور قاسم کے علاوہ علی ابن جعفر عریضی، اسماعیل بن جعفر، ابن ابی عمیر اور عباد بن یعقوب رواجنی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں۔ آخر عمر میں نابینا ہوئے اور سن ۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے ۶۷ سال عمر پائی۔ [1]

بہر صورت، اِس خاندان میں بہت سے جیّد علماء گزرے ہیں، جن میں سے ایک نامور عالم سید حیدر عاملی ہیں جو جبل عامل میں واقع مدرسہ علمیہ کے زعیم تھے۔ یہ وہی مدرسہ ہے جہاں سے علم رجال کی معروف کتاب "اعیان الشیعہ" کے مؤلف آیت اللہ سید محسن الامین عاملی درس پڑھایا کرتے تھے۔ "اعیان الشیعہ" سید محسن الامین الحسینی العاملی کی لکھی ہوئی ایک ضخیم اور جامع کتاب ہے، جس میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں شیعہ تابعین، تبع تابعین، رواۃ، محدثین، قراء، مفسرین، فقہاء حکماء، متکلمین، منطقیین، ریاضی دان، نحویین، صرفیین، لغویین، علم بیان اور انساب کے ماہرین، اطباء، شعراء، ادیبوں، عارفوں، واعظوں حکمرانوں، وزراء اور امراء، کاتبین اور قاضیوں کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ دار التعارف للمطبوعات، بیروت نے پانچویں بار اسے سن ۱۴۱۹ھ میں چودہ جلدوں پر چھاپ کر نشر کیا ہے۔

سید حیدر عاملی کے دو بھائی تھے، سید جواد عاملی اور سید مرتضٰی عاملی۔ سید جواد آملی تیرہویں صدی ہجری کے شیعہ محدث اور فقیہ تھے، اور کتاب "مفتاح الکرامہ" سمیت دسیوں کتابوں کے مؤلف ہیں۔ لیکن سید مرتضی عاملی، سید جعفر مرتضی عاملی کے جد ہیں2۔ علامہ جعفر مرتضی بن مصطفیٰ بن مرتضی عاملی، 25، صفر سنہ 1364ھ (بمطابق 6، جنوری 1945ء) کو جبل عامل لبنان کے مضافات میں ایک دیہات "دیر قانون" میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندانی بنیادی طور پر علاقہ جبل عامل کے ایک دیہات "عیثا الجبل" سے تعلق رکھتا ہے جہاں سید جعفر مرتضی کی زندگی کا اہم حصہ گزرا ہے[3]۔ جبل عامل سے تعلق کی بناء پر دوسرے متعدد شیعہ علماء کی طرح عاملی کے نام سے بھی معروف ہیں۔ یہ وہ خطہ ہے جہاں شیخ حر عاملیؒ (صاحب وسائل الشیعہ)، زین الدین عاملیؒ (شہید ثانی) شیخ بہائیؒ جیسے متعدد نامور شیعہ علماء پیدا ہوئے ہیں۔

سید جعفر مرتضی جب سن تمیز کو پہنچے تو اپنے والد کے مکتب میں ابتدائی تعلیم و تحصیل کے لئے داخلہ لیا۔ وہیں قرآن مجید، تجوید اور لکھنا پڑھنا سیکھا۔ پھر والد کی تشویق پر باقاعدہ دینی تعلیم (مصطلحہ حوزوی تعلیم) کی طرف آئے۔ ابتدائی تعلیم اور ادبیات اپنے والد کے پاس حاصل کی۔ اور انہی کے کتاب خانے سے مختلف موضوعات کے متعلق مطالعہ و استفادہ کیا۔ ایک مدت شعر و شاعری کی طرف بھی رجحان رہا لیکن ایک دفعہ ان کے والد نے ان سے کہا: "اریدك عالماً ولا اریدك شاعراً [4] (میں تمہیں ایک عالم دیکھنا چاہتا ہوں، شاعر نہیں)۔ اس پر انہوں نے والد کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے شعر و شاعری کو خیر باد کہا اور علوم دینی کی طرف اپنی پوری توجہ اور توانائی مبذول کی۔ چنانچہ سن 1382ھ میں اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے نجف اشرف، عراق چلے گئے۔[5] نجف اشرف میں تقریباً چھے سال، یعنی 1382 تا 1388، ہجری تک مشغول تعلیم رہے۔ سنہ 1384 میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے اور اسی سال ابن ہشام کے رسالہ "الغاز" پر تحقیق کرکے اسے منتشر کیا۔ الغاز ابن ہشام فی النحو، "الغز" لغت میں

ایک حیوان کا نام ہے، جسے عربی میں " جحر الضب" کہتے ہیں جو دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے بل کے کئ دروازے بناتا ہے۔جب دشمن ایک طرف سے حملہ آور ہوتا ہے تو کسی اور دروازے سے نکل جاتا ہے۔ یہ لفظ اسی معنی سے علم نحو کے ان مسائل کے لئے مستعار لیا گیا ہے جو قاری کو حیرت میں ڈالتے ہیں۔ جہاں قاری بالکل ایسے حیران رہتا ہے جیسے اس حیوان کے بل کے پاس کھڑا شخص۔ اس رسالے میں معروف نحوی ابو محمد عبداللہ ابن ہشام نے ایسے ہی مسائل نحو کو الفبائی ترتیب میں بیان کیا ہے۔اس کتاب میں ان کی روش یہ ہے کہ پہلے کسی مسئلے کے متعلق ایک شعر بیان کرتے ہیں، پھر اس پر موجود اشکال اور اس کا حل بیان کرتے ہیں۔ مسئلے کا حل بیان کرتے ہوئے بھی زیادہ تر اشعار سے استفادہ کرتے ہیں۔ علم نحو کے موضوع میں مختصر اور جامع ایک بہترین رسالہ ہے۔ متن کتاب ۱۵۳ اشعار (اصلی) اور ۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ سید جعفر مرتضی عاملی کا پہلا ادبی اور تحقیقی کام تھا جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اس وقت ادبیات عرب پر خوب مہارت اور تبحر رکھتے تھے اور جوانی میں ہی تحقیق و تالیف کا آغاز کیا تھا۔[6] آپ کے والد گرامی کی ایک خواہش یہ بھی تھی کہ آپ حوزہ علمیہ قم ایران میں اپنے تعلیمی سفر کو جاری رکھیں۔ چنانچہ والد کی اسی خواہش کے مطابق سنہ 1388ھ میں عراق کو ترک کرکے عازم ایران ہوئے اور قم المقدسہ کو اقامت اور تحصیل علوم عالیہ کے لئے منتخب کیا۔ سید جعفر مرتضی تقریباً پہلے لبنانی طالب علم ہیں جو تحصیل علم کے لئے شہر قم میں سکونت پذیر ہوئے۔ان سے پہلے لبنانی طلبہ کا ایران آنے کا رجحان نہیں تھا۔ قم المقدسہ میں مدرسہ خان میں علمی شخصیات کے حلقہ مباحثہ علمی میں شرکت کی۔ جہاں آیت اللہ سید ابوالفضل میر محمدی اور آیت اللہ میرزا علی احمدی میانجی (صاحب مکاتیب الرسول[7]) آیت اللہ سید مہدی روحانی، آذری قمی جیسے بلند پایہ اساتذہ سے سطوح عالیہ کی تکمیل کی[8]۔ پھر آیت اللہ مرتضٰی حائری، میرزا ہاشم آملی لاریجانی اور آیت اللہ سید محمد رضا گلپایگانی وغیرہ کے دروس خارج میں شرکت کرکے اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔

سید جعفر مرتضٰی کے باقاعدہ طور پر تحقیق کے میدان میں وارد ہونے کا باعث ایک لبنانی مصنف بنا جس نے حضرت علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے بارے میں کچھ متنازعہ مواد نشر کیا۔ ان کے جواب میں سید جعفر مرتضی نے کچھ مقالات لکھے جو "دار التبلیغ "کے زیر انتظام نشر ہونے والے عربی مجلّہ "الہادی" میں نشر ہوئے۔ یہ مقالات بعد میں ایک مستقل کتاب بنام "حیاۃ السیاسیہ للامام الرضاؑ" کی صورت میں طبع ہوئے۔ آپ نے کچھ عرصہ بعد "حدیث افک" پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔اس کے بعد بصرہ سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے چوری کئے جانے والے اموال کے موضوع پر تحقیق کی جو سنہ ۱۳۹۷ھ میں باقاعدہ ایک کتاب "ابن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ واموال البصرہ" کے نام سے نشر ہوئی۔ پھر اس کے بعد مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تالیف و تصنیف کیں۔ آپ اب تک تقریباً 73 سے زائد کتابیں تالیف کر چکے ہیں۔

سیرت نگاری

سید جعفر مرتضی سیرت اور تاریخی موضوعات پر بہت گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کی سیرت نگاری میں کلامی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ سیرت اور تاریخ کے منابع اولیہ سے روایات کا انتخاب کرکے اپنے متعینہ معیارات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان پر تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں اور سیرت کے صحیح پہلوؤں کو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ "الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ" (35 جلد)، "الصحیح من سیرۃ الامام علیؑ" (53 جلد) اور "الصحیح من سیرۃ الامام الحسینؑ" (24 جلد) آپ کی سیرت نگاری کے شاہکار ہیں۔

"الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ"

بیسویں صدی کے اواخر میں تقریباً 25 سالوں پر محیط انتھک محنت اور تحقیق کے بعد 35 جلدوں پر مشتمل تفصیلی کتاب "الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ" سیرت کے موضوع پر لکھی گئی ایک مفصل ترین کتاب ہے جو ایک شیعہ مسلک عالم دین نے لکھی ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کو چند مراحل میں تالیف کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں اس کی چار جلدیں سن 1983ء، میں طبع ہو کر منظر عام میں آئیں۔ جامعۃ المدرسین کے زیر اہتمام موسسۃ النشر الاسلامی نے اسے قم المقدسہ سے نشر کیا۔ پھر اس کے تقریباً دس سال بعد مزید کچھ جلدوں کی تالیف سے فارغ ہوئے اور پہلی چار جلدوں پر تجدید نظر کے ساتھ ابتدائی دس جلدیں منتشر کیں۔ اور بالآخر سن 2006ء میں 35 جلدوں کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

مؤلف نے جہاں اس کتاب کی تالیف میں بلاامتیاز فریقین کے 1700 سے زائد منابع سے استفادہ کیا ہے، وہاں انہوں نے اپنے خاص اسلوب اور اصول سیرت نگاری کے مطابق اس کتاب میں متعدد مقامات میں اہل سنت سیرت نگاروں کی روش سے مختلف روش اپنائی ہے۔ آپ کی یہ کتاب سیرت کے موضوع پر لکھی جانے والی اہم اور مفصل کتابوں میں سے شمار ہونے کے علاوہ تحقیقی بنیادوں پر لکھی جانے والی کتابوں کی فہرست میں ایک اہم حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ اس کتاب کے منابع زیادہ تر بلاواسطہ سیرت کی امہات الکتب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب سیرت کے فن کے باحثین کے لئے ایک مستند منبع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مؤلف نے روایات سیرت میں تحقیق کرکے ان میں سے ضعیف اور غیر مستند روایات کو رد کر دیا ہے اور فقط روایات صحیحہ کو انتخاب کرکے یہ ضخیم کتاب تالیف کی ہے۔ علمائے اسلام اس کتاب کو ایک اہم تحقیقی منبع کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ اس کتاب کی

پہلی دس جلدیں سنہ ۱۳۸۰ شمسی میں اسلامی جمہوریہ ایران کے سالانہ کتاب میلہ میں "کتاب سال" کا ٹائٹل پا چکی ہیں۔اسی طرح یہ کتاب حوزہ علمیہ قم میں "بہترین کتاب حوزہ" کا اعزاز پا چکی ہے۔[9]

اس کتاب کی نگارش میں مؤلف نے اپنے کلامی و تجزیاتی منہج کے علاوہ کچھ اصول اور مبانی وضع کئے ہیں جن کے بابت مؤلف کا کہنا ہے کہ سیرت اور تاریخ میں تحقیق کے لئے یہ اصول تمام عقلاء عالم کے ہاں قابل قبول ہیں۔[10] ان اصولوں کے پیش نظر سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری خود کسی بھی تاریخی واقعے کے حوالے سے کسی حتمی نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔ یہی اصول اس کتاب کو باقی کتب سیرت سے ممتاز کرتے ہیں۔ اس کتاب کے امتیازات میں سے ہے کہ مؤلف نے اس کی نگارش میں تاریخی ،قرآنی اور کلامی کئی پہلوؤں سے خوب تحقیق اور دقت نظر سے کام لیا ہے۔اس کے علاوہ تاریخی واقعات کو کاملًا تنقیدی انداز میں پیش کیا ہے۔جس کی مثالیں کتاب کے اندر جا بجا دیکھی جا سکتی ہیں۔البتہ واقعات کی تجزیہ و تحلیل کرنے میں مؤلف نے زیادہ تر اپنی فکری و کلامی نظر سے استفادہ کیا ہے۔اور تاریخی اخبار و شواہد کو اکٹھے کرنے کے بعد ایک منطقی ربط قائم رکھتے ہوئے تجزیہ و تحلیل کیا ہےاور اپنے اجتہاد و استنباطات سے نتیجہ گیری کی ہے۔آغاز وحی ، عصمت، داستان شق صدر، تقیہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام وغیرہ کے موضوعات پر اس کی مثالیں فراوان مل سکتی ہیں۔

اس کتاب کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مؤلف نے اس میں قرآن کریم کو محور قرار دیا ہے۔چونکہ قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نازل ہوا اور آپ کی حیات میں ہی محفوظ ہوا جس میں کسی قسم کی تحریف کی گنجائش نہیں ہے۔ جبکہ تاریخی روایات حیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی لکھی گئی ہیں۔ پس مؤلف نے اسے ادلہ اور مستندات سیرت میں سب سے اہم دلیل اور سب سے سچا شاہد قرار دیا ہے۔ لہٰذا تاریخی واقعات کی توثیق میں قرآن کریم سے استناد کیا ہے۔ کوئی بھی تاریخی واقعہ اگر قرآن کریم سے موافق نہ ہو تو نا قابل قبول سمجھتے ہیں، کیونکہ قرآن کریم حتمًا ان تاریخی روایات پر ورود[11] رکھتا ہے۔

"الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ" کی خصوصیات میں سے ایک اور اہم ترین خصوصیت اس کتاب میں نقل ہونے والی تاریخی روایات کو کلامی اعتقادات کے معیار پر پرکھنا ہے۔ سید جعفر مرتضیٰ عاملی نے ہر تاریخی واقعے کو اعتقادی اور کلامی معیار پر پرکھا ہے اور جو چیز قرآن اور عقل کی روشنی میں اسلامی اعتقادات کے خلاف تھی اسے جرح و تعدیل اور نقد و نظر کر کے دلیل و برہان کے ساتھ رد کیا ہے۔ مؤلف جب کلامی عقائد اور تاریخی واقعات کے درمیان تعارض دیکھتے ہیں تو جو چیز کلامی قواعد کے مطابق قطعی و یقینی نظر آتی ہے اور مستحکم حقائق کی عکاسی کرتی ہے اُسے منقولہ روایت پر ترجیح دیتے ہیں[12]۔اس سلسلے میں وہ کہتے ہیں: "مسلمہ کلامی مسائل اور جو چیزیں ہمارے مسلّمہ یقینی عقائد کی حکایت کرتی ہیں ،وہ صحیح اور غلط کی پہچان میں بنیادی و حتمی کردار ادا کرتی ہیں۔لہٰذا ہم ان یقینی اعتقادات کے

ساتھ تعارض کرنے والی روایت کو قبول نہیں کر سکتے اور یہ چیز ہم چاہیں یا نہ چاہیں خود بخود پیش آ جاتی ہے۔"[13]
اسی بنیاد پر وہ بعض اُن تاریخی منقولات کو رد کر دیتے ہیں جو مسلمہ دینی اعتقادات کے ساتھ تعارض رکھتی ہیں۔
ایک معیار کہ جس سے مؤلف نے بہت سی تاریخی روایات کی تحقیق میں استفادہ کیا ہے، عصمت انبیاء علیہم السلام کی کسوٹی ہے۔ مثلاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے زمانے کے بارے میں بعض روایات اس کسوٹی کی بنا پر مؤلف کی جانب سے رد کر دی جاتی ہیں کہ "انه كان معصوماً عما يستقبح قبل البعثة وبعدها"[14] (آپؑ بعثت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ہر قسم کی قباحتوں سے دور تھے۔)
اس کتاب کے مؤلف علوم دینیہ کے مختلف موضوعات مثلًا ادب، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ، اہل سنت اور اہل تشیع دونوں مکاتب فکر کے مصادر تاریخ سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ان کی یہ مہارت اور آگاہی کتاب "الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ" کو دوسری کتابوں سے ممتاز کرتی ہے۔ الصحیح من سیرۃ النبی ایک تجزیاتی کتاب ہے جس میں سیرت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ سے مربوط حوادث و واقعات کا تجزیہ و تحلیل کیا گیا ہے۔ بہت کم موارد ایسے مل سکتے ہیں جن میں فقط کسی تاریخی متن کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہو۔ ورنہ مؤلف کی روش یہ ہے کہ کسی بھی تاریخی واقعے کو بیان کرنے کے بعد اس کے موافق اور مخالف نظریات کو بیان کرتے ہیں۔ پھر ہر دو نظریات کے قرائن ودلائل کا تجزیہ کرتے اور آخر میں اصولی موقف کو لیتے ہوئے صحیح نظریہ بیان کرتے ہیں۔
اس کتاب کی ایک خصوصیت اس کے منابع ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب کی تالیف میں تقریباً 1700 منابع فریقین سے بلا امتیاز اخذ و استفادہ کیا ہے۔ کتاب کی آخری جلد میں کتابیات کی فہرست میں 1683 کتابوں کا نام لکھا ہے جن سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں سے بعض کے مجلدات سو سے زائد ہیں۔ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کتاب کے مطالب دقیق اور عالمانہ ہیں۔ کسی بھی مطلب کے دلائل جب تک مکمل اور واضح نہ ہوں، اس حوالے سے کوئی رائے قائم نہیں کرتے۔ تاریخ اور سیرت کے کسی بھی موضوع پر کی جانے والی ہر بات کو اس کے منابع اولیہ سے حوالے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ کسی بات کا اگر منابع اولیہ میں حوالہ نہ ملے تو اسے قبول ہی نہیں کرتے ہیں۔

الصحیح من سیرۃ الامام علی علیہ السلام (المرتضٰی من سیرۃ المرتضٰیؑ)

حضرت علی ابن ابوطالب علیہما السلام کی سیرت کے موضوع پر مفصل ترین کتاب ہے۔ سید جعفر مرتضٰی عاملی نے 53 جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کے نام و نسب اور ولادت سے لے کر شہادت اور

تجہیز وتدفین تک کے احوال کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ کے بعد الصحیح من سیرۃ الامام علیؑ بھی اس وجہ سے ممتاز ہے کہ اس کے بارے میں مؤلف نے "الصحیح" کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کتاب میں بھی مؤلف نے حضرت امام علی علیہ السلام کی سیرت کے بارے میں منقول روایات کو اپنے اصول سیرت نگاری کے مطابق صحیح اور سقیم روایات کو الگ کرکے پیش کیا ہے۔

الحیاۃ السیاسیۃ للامام الحسن (ع)

تین فصول پر مشتمل اس کتاب کی پہلی فصل میں عہد رسول اللہ ﷺ میں امام حسن علیہ السلام کی زندگی، حسنین کریمین علیہما السلام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عاطفیت اور واقعہ مباہلہ میں حسنین علیہما السلام کو "ابنائنا" قرار دیے جانے کی تعبیر کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ نیز اسی فصل کے آخر میں حضرت علی علیہ السلام کے حضرت امام حسن علیہ السلام کو اپنا وصی اور جانشین بنانے کی نصوص اور روایات کا تذکرہ اور ان کا تجزیہ شامل ہیں۔ فصل دوم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی زندگی کے واقعات اور فصل سوم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ علیہ السلام کی زندگی کے احوال کو ذکر کیا ہے۔ اسی فصل میں امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کا عھد خلفاء کی مختلف فتوحات میں شرکت کرنے کی روایات کا ذکر کیا ہے۔ مؤلف کے مطابق حسنین کریمین علیہما السلام نے ایسی فتوحات میں شرکت نہیں کی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے حصار کے دنوں میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے ان کی حفاظت کے لئے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو مامور کرنے کی روایت پر بھی بحث کی ہے۔ کتاب کے آخر میں امام حسن علیہ السلام کی شخصیت سے مربوط مصنوعی روایات پر تنقید کی ہے۔ یہ کتاب ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور سن ۱۴۱۴ھ میں دار السیرہ، بیروت سے چھپی ہے۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ محمد سپہری نے " تحلیلی از زندگانی سیاسی امام حسن (ع) " کے نام سے کیا ہے۔

سیرۃ الحسین علیہ السلام فی الحدیث والتاریخ (الصحیح من سیرۃ الامام الحسینؑ)

حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت اور زندگی کے احوال کے بارے میں 24 جلدوں پر لکھی گئی یہ کتاب حال ہی میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔ مؤلف نے اس کتاب میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت سے پہلے حدیث الانوار اور آپ کی ولادت کے بارے میں غیبی بشارت کا تذکرہ کیا ہے۔ کلی طور پر کتاب کو چھے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں ولادت اور زمانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کی زندگی کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے حصے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم

کے ادوار میں آپ علیہ السلام کی زندگی کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔ جبکہ تیسرے حصے میں حضرت امام علی علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے دور میں آپ کی زندگی کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب کے آخری تین حصے واقعہ کربلا سے متعلقہ احوال، امام علیہ السلام کے خطبات، شہدائے کربلا اور اسیران کربلا رضوان اللہ تعالی عنہم کے احوال پر مشتمل ہیں۔ کتاب کی تمام جلدیں اوسطاً ۳۵۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ المرکز الاسلامی للدراسات، بیروت نے اسے پہلی مرتبہ سن ۲۰۱۶ء میں طبع کرکے نشر کیا ہے۔

الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضاؑ

512 صفحات پر مشتمل یہ کتاب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں ہے۔ اس کتاب کے چار حصے بنائے گئے ہیں۔ حصہ اول مقدماتی ابحاث پر مشتمل ہے۔ اس میں بنی عباس کی حکومت کی تشکیل، علوی سادات کے خلاف ان کی سیاست اور علویوں کی طرف سے ان کو لاحق خوف و خطرات کے علاوہ علوی سادات پر ان کے مظالم کے بعض واقعات بھی درج کئے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شخصیت، مامون الرشید اور اس کے اہداف اور امام رضا علیہ السلام کی ولایت عہدی کو بیان کیا گیا ہے۔ انہی ابحاث کے ذیل میں مختلف مؤرخین کی آراء پر نقد بھی شامل ہے۔ حصہ سوم میں مامون کی طرف سے امام رضا علیہ السلام کو جو خلافت کی پیش کش کی گئی تھی، امام علیہ السلام کا اسے قبول نہ کرنا اور مجبوراً ولایت عہدی کو قبول کرنے کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس ضمن میں متعدد واقعات و حوادث کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ حصہ چہارم میں مامون الرشید کی کچھ جنایات کا ذکر ہے جن کے ضمن میں حضرت امام رضا علیہ السلام کو شہید کرنے، نیز بعض لوگوں کے مامون کو امام کی شہادت سے بری الذمہ قرار دینے کے دلائل پر نقد بھی شامل ہے۔ کتاب کے اختتام پر امام رضا علیہ السلام کے نام "فضل بن سھل" کے خط کا متن، ولایت عہدی نامہ اور بنی عباس کے نام مامون الرشید کا خط اور کچھ دیگر خطوط بھی نقل کئے گئے ہیں۔

دراسات و بحوث فی التاریخ والاسلام

یہ کتاب تاریخ اسلام اور بعض اسلامی بزرگ شخصیات کے احوال کے بارے میں کچھ تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد اوسطاً ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جلد اول میں "۲۷ تحریف شدہ کتب" کا تعارف، حضرت علی علیہ السلام کا اپنے بعد خوارج سے جنگ کرنے سے منع کرنے کا سبب، ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا اپنی مدح سرائی کرنے والے شاعروں کو تحائف دینا، عقیدہ مہدویت، اموی دور میں امام سجاد علیہ السلام کا کردار، حضرت علی علیہ السلام کا مدینہ چھوڑ کر کوفہ آنے کا سبب، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افکار (کمیونسٹ، سوشلسٹ یا اسلامی)، اسلام میں سکے کا رواج، رسول اکرم ﷺ کا محل دفن، حضرت عقیل

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاویہ بن ابو سفیان کے پاس مدد لینے کے لئے جانا، حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاویہ بن ابوسفیان کو زمین فروخت کرنا، امام سجاد علیہ السلام کا مروان بن حکم سے قرض لینے سے مربوط قصہ، جنگ موتہ میں لشکر کے امیر، حضرت محمد بن حنفیہّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اور میت پر تکبیرات کی تعداد جیسے موضوعات پر ۱۹ مقالے شامل ہیں۔ اس کتاب کی دوسری جلد ۲۵ مقالات پر مشتمل ہے جن میں سے بیشتر تاریخی موضوعات کے بجائے اسلامی اخلاقیات کے موضوعات پر لکھے گئے ہیں۔ جلد سوم میں "قرآن کریم کی نظر میں حرمین شریفین کی تولیت "، حزب اللہ لبنان کو تشکیل دینے کی ضرورت، "الاسلام وحقوق الانسان"، "الاسرائیلیات فی تاریخ الطبری" جیسے موضوعات پر دس سے زائد مقالات شامل ہیں۔ جلد چہارم مؤلف کے مختلف روزناموں اور ماہناموں کو دئے گئے انٹرویوز پر مشتمل ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ بھی ان کی سو سے زائد کتابیں ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ علوم اسلامیہ کے محققین کے لئے ان کی کتابیں تحقیق کا ایک نیا باب کھول دیتی ہیں۔ سید جعفر مرتضیٰ عاملی کا منفرد انداز اور ان کی روش تحقیق خود ایک موضوع تحقیق بن سکتا ہے۔ اگرچہ کسی بھی مؤرخ یا سیرت نگار کی تمام باتیں حرف آخر نہیں ہوتیں لیکن سید مرتضیٰ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد سیرت و تاریخ میں نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔

خاتمہ

سید جعفر مرتضیٰ عاملی کی تالیفات میں دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ اپنی تحقیق کو "الصحیح" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی ان کا دعویٰ ہے کہ رسول اکرمؐ اور اہلبیت رسولؐ کی سیرت طیبہ کے بارے میں منقول ہر قسم کی روایات کا تجزیہ و تحلیل کرکے انہوں نے ان کی سیرت کا صحیح رخ بیان کیا ہے۔ ان کا یہ دعویٰ کس حدتک درست ہے، اس میں آنے والے محققین کو کام کرنے کی ضرورت ہے۔ سیرت نگاری میں سید جعفر مرتضیٰ عاملی کی روش اور ان کا اسلوب منفرد ہے۔ لہٰذا ان کے اسلوب کو بھی تحقیق کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔ سید جعفر مرتضیٰ عاملی سیرت نگاری کے شعبے میں مجتہد مانے جاتے ہیں۔ ان کی تالیفات کو متعدد بار "بہترین کتاب" کے ایوارڈز دئے جاچکے ہیں۔ تاریخی واقعات کے مختلف پہلوؤں پر ان کے استدلالات بھی قابل تحقیق و تجزیہ ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ اپنے نظریات ثابت کرنے میں کس حدتک کامیاب ہوئے ہیں، یا ان کے نظریات باقی علماء کے ہاں کس حدتک مسلم ہیں، ان کی تحقیقات سے نئے آنے والے محققین کے لئے تاریخی واقعات کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کا دروازہ کھل گیا ہے۔ وہ محقق کے لئے احترام متقابل کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے آراء اور نظریات کو علمی پیرائے میں لیتے ہوئے مورد تنقید قرار دیتے ہیں۔ ان کی تحقیقات کے مطالعے کے بعد قارئین تاریخی واقعات پر تجزیہ و تحلیل کی

ضرورت واہمیت سے آشنا ہوتے ہیں۔خداوند متعال ہم سب کو حق اور حقیقت کا متلاشی بنائے اور تاریخی حقائق کا تحقیقی بنیادوں پر مطالعہ کرکے حقیقت کو تسلیم کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

*****

حوالہ جات

1۔ عبد الرحمٰن بن علی ابن جوزی، ابو الفرج، *المنتظم فی تاریخ الملوک والامم*، ج 7، دراسۃ و تحقیق محمد عبد القادر عطا، مراجعہ و تصحیح نعیم زرزور، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1995) 212۔

2۔ مقالہ نگار کا سید محمد مرتضی عاملی (فرزند سید جعفر مرتضی عاملی) سے انٹرویو، دفتر سید جعفر مرتضی عاملی (مجتمع حکیم، پردیسان)، قم، ایران، 28 فروردین 1396ھ ش۔ بمطابق: 17 اپریل 2017ء۔

3۔ ماہنامہ، کیہان فرہنگی، سال 1367ھ ش، شمارہ: 59، مصاحبہ با سید جعفر مرتضیٰ عاملی، مدیر دکتر فیروز اصلانی، ناشر: موسسہ کیھان، خیابان فردوسی، تھران، 1-6

4۔ ماہنامہ، کیہان فرہنگی، 1-6۔

5۔ مقالہ نگار کا سید محمد مرتضی عاملی (فرزند سید جعفر مرتضی عاملی) سے انٹرویو، محولہ سابق۔

6۔ مقالہ نگار کا سید محمد مرتضی عاملی (فرزند سید جعفر مرتضی عاملی) سے انٹرویو، محولہ سابق۔

7۔ مکاتیب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی زبان میں لکھی گئی ایک اہم کتاب ہے۔ اس میں مؤلف نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب، مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے خطوط کو جمع کیا ہے۔ اور ان تمام خطوط کے مطالب اور ان میں موجود قراردادوں اور عہد ناموں کا تحقیقاتی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ پندرہ فصول پر مشتمل یہ کتاب چار جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ پہلے چھے فصول میں زمانہ جاہلیت میں خط وکتابت، رسول اکرمؐ پڑھنا لکھنا جانتے تھے یا نہیں، اور خط کو آغاز کرنے کے آداب اور رسول اکرمؐ کے خطوط کی خصوصیات اور خوبصورتی کو بیان کیا ہے۔ اور دوسرے فصول میں رسول اکرمؐ کے مختلف افراد، گروہوں اور بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت پر مشتمل خطوط ذکر کئے ہیں۔ آپؐ کے مختلف صلح نامے اور عہد نامے بھی اسی حصے میں شامل ہیں۔

8۔ مقالہ نگار کا سید محمد مرتضی عاملی (فرزند سید جعفر مرتضی عاملی) سے انٹرویو، دفتر سید جعفر مرتضی عاملی (مجتمع حکیم، پردیسان)، قم، ایران، 28 فروردین 1396ھ ش۔ بمطابق: 17 اپریل 2017ء۔

9۔ مقالہ نگار کا سید محمد مرتضی عاملی (فرزند سید جعفر مرتضی عاملی) سے انٹرویو، محولہ سابق۔

10۔ سید جعفر مرتضی، عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج 1 (قم: دار الحدیث، 1426ھ) 280 ۔

11۔ "ورود" علم اصول کی ایک اصطلاح ہے۔ تعارض ادلہ کی صورت میں "حکومت" اور "ورود" کی اصطلاح پہلی بار شیعہ عالم دین شیخ مرتضیٰ انصاری نے پیش کی۔ حکومت اور ورود میں فرق یہ ہے کہ ایک دلیل دوسری پر "حاکم" ہونے کامطلب یہ ہے کہ اسے دوسری دلیل پر مقدم کیا جاتا ہے، لیکن دوسری دلیل کی حجیت اور دلالت ختم نہیں ہوتی۔ جبکہ ایک دلیل دوسری پر "وارد" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی دلیل کا موضوع سے کوئی ربط ہی نہیں بنتا۔ (المظفر، محمد رضا، *اصول الفقہ*، تحقیق: صادق حسن زادہ المراغی، ط، اولیٰ (قم :مکتبۃ العزیزی، 1427ھ) 432۔

12۔ سید جعفر مرتضی، عاملی، *الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم*، ج2، (بیروت: معارف اسلام پبلشرز، 2017ء) 63-64۔

13۔ محمد تقی، سبحانی، *دوماہی مجلّہ آئینہ پژوھش*، دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ، قم، شمارہ 5، بھمن واسفند 1369ش) 64۔

14۔ شہاب الدین احمد بن علی، ابن حجر عسقلانی، *فتح الباری شرح البخاری*، ج1 (بیروت: دار المعرفۃ، سن 1300ھ) 401۔

کتابیات

1. ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی، *فتح الباری شرح البخاری*، دار المعرفۃ، بیروت سن 1300ھ۔
2. محمد تقی، سبحانی، *دوماہی مجلّہ آئینہ پژوھش*، دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ، قم، شمارہ 5، بھمن واسفند 1369ش.
3. عاملی، سید جعفر مرتضی، *الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم*، قم، دار الحدیث، 1426ھ۔
4. ندارد، ندارد، ماہنامہ، کیہان فرہنگی، سال 1367ھ ش، شمارہ: 59، مدیر دکتر فیروز اصلانی، ناشر: موسسہ کیھان، خیابان فردوسی، تہران۔
5. المظفر، محمد رضا، *اصول الفقہ*، تحقیق: صادق حسن زادہ المراغی، ط، اولیٰ، مکتبۃ العزیزی، قم، 1427ھ۔"
6. مقالہ نگار کا سید محمد مرتضی عاملی (فرزند سید جعفر مرتضی عاملی) سے انٹرویو، دفتر سید جعفر مرتضی عاملی (مجتمع حکیم، پردیسان)، قم، ایران، 28 فروردین 1396ھ ش۔ بمطابق: 17 اپریل 2017ء۔

اسلامی اور مغربی تمدن میں بنیادی فرق

The Basic Difference between Islamic & Western Civilizations

Hassan Raza Naqvi

Abstract:

Being Muslims, we need to creat some fundamental changes in social sciences in order to lay the foundation of the Islamic culture & civilization. Unfortunately, we seriously lack the academic institutions and thinkers who may provide the foundations of Islamic civilization on the basis of divinely inspired human and social sciences. In fact, this task needs a team work and a few scattered individuals can not do this. Only a group of scholars can perform this duty who believe that they can alter the foundations of those sciences that are founded on material theories and thoughts. They also must have the capability and courage to do so. Along with this, they also need to study the works done by western scholars in social sciences. This article is an individual effort in this direction to encourage other research scholars to do their best for the foundation of Islamic civilization.

Key words: *Civilization, Islam, Sciences, West, Culture.*

خلاصہ

مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں سماجی علوم میں ایسی اساسی تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے جن کے نتیجے میں اسلامی تمدن کی بنیاد رکھی جاسکے۔ جبکہ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے پاس ایسی درسگاہوں اور مفکرین کی بہت زیادہ کمی ہے یہ کام کرسکیں۔اِس موضوع پر ایسے مفکرین کام کر سکتے ہیں جنہیں یہ یقین ہو کہ وہ مادی نظریات وافکار کی اساس پر مبنی سماجی علوم میں اساسی تبدیلیاں لا سکتے ہیں۔ نیز ان کے اندر یہ کام انجام دینے کی صلاحیت اور ہمت بھی ہو۔اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے وہ دیگر اویان ومذاہب کے پیروکاروں کے علمی، فکری اور تحقیقی کاموں سے بھی خود کو بے نیاز نہ سمجھیں۔ مقالہ ہذا میں اسی ہدف کے تحت ایک انفرادی کام پیش کیا گیا ہے۔اس امید پر کہ دیگر محققین کو بھی جہت ملے اور وہ پوری تن دہی سے اسلامی تمدن کی تشکیل کے لئے کام کریں۔

کلیدی کلمات: تمدن، اسلام، علوم، مغرب، تمدن۔

مقدمہ

مغربی ماڈرن دنیا میں تیزی کے ساتھ وسیع سطح پر ہونے والی مختلف تبدیلیوں نے گذشتہ چند صدیوں میں مغربی دنیا کو ممتاز بنا دیا ہے۔ علم و ٹیکنالوجی میں مغربی پیشرفت اس بات کا سبب بنی ہے کہ انسان نے مادی دنیا سے بہت آسان اور جدید طریقوں سے فائدہ اٹھانا شروع کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، مغربی تمدن نے مادی دنیا پر اپنی پوری توجہ مرکوز کرکے بہت دقیق اور جدید ٹیکنالوجی کے وجود کے ذریعے موجودہ زمانے کو گذشتہ زمانے سے جدا کرکے رکھ دیا ہے کہ گویا آج کا جدید انسان ایک نئی قسم کا انسان ہے جو گذشتہ انسانوں سے کاملا جدا ہے۔ اور اِس پیشرفت کے ذریعے انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ دنیا کو یہ باور کروائیں کہ ہم خدا کے وجود کے بغیر بھی عالم طبیعت سے جتنا زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ مغرب کی طرف سے اس پیشرفت و ٹیکنالوجی کی اسلامی ممالک میں آمد نے بعض اسلامی مفکرین کو بھی تحتِ تاثیر قرار دیا ہے یہاں تک کہ ان مفکرین کا یہ اعتقاد بن چکا ہے کہ انسانی ترقی و کمال کا تنہا راستہ وہی ہے جو اہلِ مغرب نے اپنا کر ماڈرن دنیا تشکیل دی ہے۔ جدید مغربی تمدن نے اپنی ٹیکنالوجی کے زور پر متکبر انداز میں اپنی ثقافت کو دوسرے ممالک میں ٹھونسنے کی کوشش کی ہے تاکہ دوسرے ممالک کی ثقافتوں کو کمزور کرکے وہاں اپنی جدید ثقافت رائج کریں اور اس کے لئے انہوں نے مختلف اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی طریقوں کو اپنا رکھا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مغربی جدید تمدن اسلام کے اخلاقی ضوابط کو انفرادی اور اجتماعی زندگی سے نکال باہر پھینکتا ہے یا یہ کہ بغیر کسی اختلاف کے دونوں ایک ساتھ چل سکتے ہیں؟ اور مغربی تمدن کے مقابلے میں اسلامی تمدن کی بنیاد کیا ہے اور اسلامی تمدن کا وجود میں آنا کیسے ممکن ہے؟ ان سوالوں کا تفصیلی جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم پہلے لفظِ تمدن کی وضاحت کر دیں۔

تمدن

لفظ تمدن (Civilization) انگریزی زبان میں لاطینی لغت کے کلمہ (Civis) سے لیا گیا ہے جس کا معنی کسی بھی شہر کا شہری ہونا ہے۔ ماضی میں وہ لوگ جو صحرا میں زندگی بسر کرتے تھے ان کی نسبت وہ لوگ جو شہر میں رہتے تھے ان کو متمدن سمجھا جاتا تھا اور اِنہی شہر کے لوگوں کے لئے لفظ (Civis) استعمال کیا جاتا تھا کہ وہ ترقی اور پیشرفت کے حامل ہوتے ہیں۔[1] یونانی لوگ لفظ (Civilization) کو شہر میں مختلف اداروں کے مجموعے اور لوگوں کے آپس میں اجتماعی روابط کے لئے استعمال کرتے تھے۔[2] عربی زبان میں لفظ تمدن "مدن" سے اخذ کیا گیا ہے جس کا معنی کسی شہر میں زندگی گزارنا ہے اور موجودہ زمانے میں انگریزی لفظ (Civilization) پر بھی کلمہ "مدن" کا اطلاق ہوتا ہے۔[3] بعض لفظ "مدن" کو عبری اور سریانی لفظ جانتے ہیں اور لفظ "مدین" اور "مدینہ" کو مادہ "دین" کے مشتقات میں سے سمجھتے ہیں جس کے معنی مقررات و قوانین کو خضوع و خشوع سے قبول کرنا

ہے۔[4] علامہ تقی جعفری انسانوں کے درمیان باہمی روابط، ہم آہنگی اور برقرائی نظم کو تمدن کہتے ہیں کہ جس کے نتیجے میں اس معاشرہ کے لوگ جو ایک دوسرے کے مفادات کے خلاف ہوں، تمدن ان کو اکٹھا کرتا ہے تاکہ تمام لوگ پیشرفت شدہ حالات کے مطابق زندگی بسر کریں اور تمدن ہی معاشرے کے اندر موجود تمام صلاحیتوں کو سامنے لے کر آتا ہے۔[5] تمدن کی کوئی متفقہ تعریف نہیں ہے بلکہ مختلف مفکرین نے اس لفظ کو مختلف معنوں میں برتا ہے۔ جب ہم تمدنِ اسلامی کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد معاشرے کے سیاسی، ثقافتی اور اجتماعی پہلو ہیں جو کہ ایک فرد سے لے کر معاشرے تک کو اپنے سائے میں لے لیتے ہیں۔[6] مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمدن ایک ایسے اجتماعی نظم کا نام ہے کہ جس کے نتیجے میں انسان کی ثقافت کی نسبت تخلیقی صلاحیت امکان پذیر ہوتی ہے۔ تمدن کو چار مندرجہ ذیل بنیادی ارکان میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اقتصادی میدان میں پیش گوئی و احتیاط، سیاسی ادارے، اخلاقی روایات، علم و ہنر کے پھیلانے کے لئے کوشش۔[7]

تمدن اسلامی، تمدن دینی ہے جس کے تمام کلیدی عناصر اسلام سے لئے گئے ہوں اور اس کی تمام خصوصیات کا محور و مرکز قرآن و سنت پیامبر اکرم ﷺ قرار پائے۔ اسلامی تمدن کے کلیدی عناصر میں دین، اخلاق، علم، عدالت، قوانین و مقررات، اصولِ دینی، اقتصاد وغیرہ شامل ہیں۔

1۔ علم کے بارے اسلامی وغیر اسلامی دیدگاہ

اسلامی تمدن کے راستے کا چراغ علم ہے اور اسلامی تمدن کے تحقق کی علامت علمی جہاد ہے۔ امام خمینیؒ کی نظر میں "اسلامی تمدن کے ارکان میں سے ایک رکن وہ علم ہے جو الٰہی بنیاد پر وجود میں آئے اور اسی طرح علم کے ساتھ اس پر عمل بھی لازم ہے کہ جیسے علم و عمل انسان کے دو پر ہیں جس کے ذریعے انسان پرواز کرکے خود کو مقامِ انسانیت تک پہنچاتا ہے لہٰذا تنہا علم کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ مُضر ثابت ہوتا ہے اور بغیر علم کے عمل بھی بے نتیجہ ہے"[8] امام خمینی کے آثار میں اس کی بہت تاکید ہوئی ہے کہ ممکن ہے کہ انسان علم و برہان رکھتا ہو لیکن کفر و شرک کے مرتبے پہ بھی باقی رہے۔[9] یعنی اگر علم کی بنیاد غیر توحیدی ہو تو پھر بھی وہ ممکن ہے کوئی بڑی کامیابی حاصل کرلے لیکن از لحاظ معنوی وہ پست و ذلیل ہی رہے گا۔

اِس وقت دنیا کے اندر دو بڑے اُفق اپنے اپنے علوم کی ترویج کے لئے اپنے پورے پورے وسائل کے ساتھ میدان میں موجود ہیں۔ جن میں ایک مغربی یا دوسرے لفظوں میں مادی وجدید (Modern) نکتہ نظر کی بنیاد پر انسانی و سماجی علوم کی تحقیق و پیشرفت میں مشغول ہے (جس کی ہم آگے چل کر وضاحت کریں گے) اور دوسری طرف علوم و نظریات اور افکار کی اساس اسلام کو قرار دیا جاتا ہے۔ اِن دو متضاد بنیادوں پر علوم ہی اپنے اپنے معاشروں کو پروان چڑھا کر بالترتیب مغربی اور اسلامی تمدن کے تحقق کے خواہاں ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم تمدن اسلامی کی

طرف بڑھیں، قابل غور بات یہ ہے کہ جن علوم کی بنیاد پر ایک معاشرہ تمدن کی شکل اختیار کرتا ہے پہلے ان علوم کی بنیادوں کو پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا تمام علوم کی بنیادیں ایک جیسی ہیں؟ یا اگر بنیادیں مختلف ہیں تو اس کے نتیجے میں ہر دو معاشروں میں کیسا تمدن سامنے آئے گا؟ ہم چاہے اِس کو مانیں یا نہ مانیں کسی بھی انسان کے اعتقادات پر حملہ اُس انسان کے لئے قابل تحمل نہیں ہوتا ہے چاہے اس کے اعتقادات جو بھی ہوں بلکہ یہ اعتقادات کے مشترکات ہی انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتے ہیں۔ یہ موضوع اُن موضوعات میں سے ہے کہ جس پر کئی دہائیوں سے یونیورسٹیوں کے محققین اور دینی علوم کے ماہرین اپنی اپنی تحقیق کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور یہ سوال ابھی تک زیرِ بحث ہے کہ کیا مغربی معاشرے کے وہ علوم جو انسانی تعلیم و تربیت اور معاشرہ سازی سے متعلق ہیں، ایک غیر مغربی معاشرے میں قابلِ استفادہ ہیں یا نہیں ہیں؟ اِس کے جواب میں تین مختلف نکتہ نظر کے حامل گروہ موجود ہیں۔

پہلا گروہ ایسے افراد کا ہے کہ جو اِس فکر کے قائل ہیں کہ علم دینی نہیں ہے اور یہ لوگ علم کو کسی جغرافیے یا کسی خاص ثقافت کا پابند نہیں جانتے ہیں بلکہ ایسے افراد کے مطابق انسانی و سماجی علوم مغربی یا غیر مغربی، دینی یا غیر دینی نہیں ہیں بلکہ وہ جہاں بھی حاصل کئے جائیں ہم اُنہیں انسانی و سماجی علوم ہی نام دیں گے۔ معاشرے کی اسلامی یا غیر اسلامی تقسیم بندی نہ کریں۔ علوم اسلامی یا غیر اسلامی نہیں ہیں اور اِس میں مشرقی یا مغربی افکار کا کوئی عنصر نہیں ہونا چاہیے۔ طبیعی طور پر ایسے مفکرین کے نظریات ان لوگوں سے متفاوت ہوں گے جو دینی علوم کے نظریات کے حامل ہیں۔

دوسرا گروہ ایسے افراد کا ہے جو اِس بات کے قائل ہیں کہ مغربی معاشرے کے تمام علوم اور ان کی بنیادیں غلط نہیں ہیں بلکہ ہم مغربی دنیا کی مفید اور علمی پیشرفت سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اُن کے وہ افکار جن کے اثرات مُضر ہیں، اُن سے اجتناب کیا جائے۔ یعنی اِن کے نزدیک مغرب کے اچھے اور برے افکار موجود ہیں لہٰذا اہلِ مغرب کے اچھے افکار کی پیروی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تیسرا گروہ ایسے افراد کا ہے کہ جو مغرب کے تمام افکار کو غیر الٰہی و غیر توحیدی نظریات کا محصول سمجھتے ہیں اور یہ اِس بات کے قائل ہیں کہ معاشرے کے اندر اسلامی افکار و نظریات کی بنیاد پر ہی ترقی و پیشرفت ہونی چاہیے۔ یعنی انسانی علوم، سیاسی علوم، تاریخ، جغرافیا، اقتصاد، ادبیات، فلسفہ، ہنر، تجارت وغیرہ ۔۔۔ یہ سب اسلامی افکار کی روشنی میں بیان ہوں گے تو پھر معاشرہ اسلامی تمدن سازی کی طرف بڑھے گا۔

2۔قرآن واہلبیتؑ کے فرامین کی روشنی میں علم کی بنیاد

ہم اپنی بات کاآغاز قرآن واہلبیتؑ کی روایات کی روشنی میں پہلے گروہ کے نکتہ نظر سے کرتے ہیں کہ جواِس بات کے قائل ہیں کہ وہ علم جو مغربی معاشرے میں ایک مغربی فکر کے حامل استاد سے حاصل کیا جائے اور وہ علم جو ایک موحد و توحید پرست استاد سے حاصل کیا جائے،اِن دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔اِن کے اِس نکتہ نظر سے تھوڑی چشم پوشی کرتے ہوئے ممکن ہے کہ ہم فنی علوم کے بارے اِن کے اِس استدلال کو وقتی طور پر قبول کرلیں لیکن انسانی و سماجی علوم جن کی روشنی میں معاشرہ سازی انجام پائے،اُس کو ہر گز قبول نہیں کریں گے۔

سورہ نساء کی آیت نمبر 141 میں اللہ تعالی کاارشاد ہے کہ (وَلَن يَجعَلَ اللهُ لِلكافِرينَ على المُؤمنينَ سَبِيلاً) کہ خداہر گزکافروں کو مومنوں کے اوپر راہِ تسلط نہیں دے گا۔یہ آیت جو کہ نفی سبیل کے نام سے بھی مشہور ہے، عملی طور پر مومنین کو شدت کے ساتھ کفار کے تسلط سے نفی کادرس دے رہی ہے۔ مشہور مفسر قرآن علامہ طباطبائی کے نزدیک یہ آیت (نفی سبیل) کسی خاص زمانے تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ تفسیر المیزان میں اس آیت کے ایک خاص زمانے تک محدود نہ ہونے کے حوالے سے لکھتے ہیں "یہ کہ جو خدانے اِس آیت میں فرمایا ہے کہ خدا کفار کو مومنین پر مسلط نہیں ہونے دے گااِس کا معنی یہ ہے کہ یہ حکم آیت کے نازل ہونے سے لے کر مومنین کے نفع اور کفار کے خلاف ہےاور تاابداِسی طرح رہے گا" [10]

امام خمینیؒ اپنی کتاب "البیع" میں لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ آیت (نفی سبیل) سیاسی تسلط کے عنوان سے ہو لیکن یہ آیت مسلمین کا کفار کے ہر حوالے سے تسلط سے نجات حاصل کرنے کی دلالت بھی کرتی ہے۔[11]

اِس آیت کے مقدمے کی روشنی میں کہ جب انسانی و اجتماعی علوم مغرب زدہ ہو چکے ہیں اور اہلِ مغرب یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے معاشرے پر ثقافتی، علمی،اور سماجی لحاظ سے غلبہ حاصل کریں تو فقہی اعتبار سے بھی اِس تسلط سے اجتناب واجب ہے البتہ لوگوں کی طرف سے عدم اجتناب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مبانی الٰہی و توحیدی کی جگہ مغربی علوم کواِس طرح جاگزین کر دیا گیاہے کہ اُسی کو درست سمجھ بیٹھے ہیں۔

اہلبیتؑ کی روایات کی روشنی میں بھی معاشرے کے مستقبل کے لئے علم صحیح اور علم غیر صحیح کی تقسیم بندی موجود ہے۔امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں (شَرِّقاً و غَرِّباً فَلا تَجِدان عِلماً صَحِيحاً إلّا شَيئاً خَرَجَ مِن عِندنا أهلَ البَيت) مشرق چلے جاؤ، مغرب چلے جاؤ، صحیح علم کو حاصل نہیں کر سکوگے مگر یہ کہ ہم اہلبیت سے صادر ہوا ہو" [12]

اِس روایت کے مطابق انسان اور اس کی اجتماعی زندگی وآخرت سے متعلق جتنے علوم و موضوعات ہیں وہ اس وقت درست ہوں گے جب اُس کا مآخذ کلام اہلبیتؑ ہو۔ لہٰذا یہ روایت بھی پہلا نکتہ نظر رکھنے والے گروہ کے مخالف

ہے۔ اگر ہم انسانی علوم کو اسلام کی نگاہ سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اسلام زندگی کے عمیق ترین معاملات سے لے کر عام معاملات تک ایک معنوی نگاہ کا حامل ہے جیسے کہ ایک مہمان اور ہمسائے کے حقوق کو بھی خدا پر اپنے ایمان کا حصہ اور روزِ جزا سے مربوط سمجھتا ہے۔

دوسرا گروہ جس کا یہ نکتہ نظر ہے کہ مغرب کے بعض علوم یا ان کی ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہاں ان کے جواب میں ایک بہت ہی ظریف نکتہ بیان کرنا چاہوں گا کہ مغربی افکار کی بنیاد کے مطابق وہ علم کو اپنی سیاست و جنگ کی خاطر ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں (جس کی ہم ابھی تفصیلی وضاحت کریں گے) جبکہ دوسری طرف اسلامی محققین و مفکرین کے نزدیک علم کو ایک مستقل حیثیت حاصل ہے اور اس کا مقام سیاست اور جنگ سے بالاتر ہے بلکہ سیاست اور جنگ علم کے زیرِ سایہ آگے بڑھنے چاہییں نہ یہ کہ علوم کو سیاست و جنگ کی خاطر ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے۔

3۔ جدیدیت (Modernism)

مغربی علوم کے زیر سایہ تمدن کی بنیادوں کو مختلف پہلوؤں سے پرکھنے کی ضرورت ہے۔ مغربی علوم کی بنیاد کا ایک پہلو جدیدیت (Modernism) ہے جس کے خاص اجتماعی و ثقافتی پہلو ہیں۔ کلمہ ماڈرن (Modern) کے معنی جدید ہونے کے ہیں اور یہ لفظ لاطینی کلمہ (Modo) سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے (of today) یعنی ((آج)) یا ((امر بالفعل و حاضر)) اور سب اس کو قبول کرتے ہیں۔[13] اصطلاحی معنوں میں جدید ہونا ایک خاص مطلب رکھتا ہے۔ از لحاظ تاریخی جدیدیت ایک تازہ معاملہ ہے اور ثانیاً ہر وہ چیز کہ جس کی بنیاد دین و قدیم معاشرتی روایات ہوں، اس کا جدیدیت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ جدیدیت وحی کے مقابلے میں عقل کو ترجیح دینے کا نام ہے لہٰذا اس دلیل کے ساتھ جدیدیت کے نظریے میں تمام قدیمی آداب و دینی و معاشرتی رسومات کو جادو و خرافات کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دورِ جدید کے آغاز کے بارے محققین کے درمیان اختلاف موجود ہے۔ بعض پندرہویں صدی کو دورِ جدید کا آغاز سمجھتے ہیں[14] بعض تین یا چار صدیاں پہلے سے دورِ جدید کے آغاز کو مانتے ہیں۔[15] بعضی دوسرے محققین و مفکرین گالیلہ کے زمانے کو دورِ جدید کا آغاز سمجھتے ہیں۔[16]، [17] یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مغربی محققین کے نزدیک نظریہ جدیدیت قرون وسطی کے زمانے پر کیوں صادق نہیں آتا ہے؟ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں اس کا جواب یہ ہو کہ قرون وسطی جو کہ تقریباً دس صدیوں پر محیط ہے[18] اس دوران نئے نظریات یا افکار سامنے نہ آئے ہوں اور تمام مفکرین گذشتہ مفکرین کے مقلد تھے لہٰذا اس خاصیت کے ساتھ قرون وسطی پر دورِ جدید کا اطلاق نہیں ہوتا ہے لیکن یہ واضح ہے کہ ایسا جواب بہت سطحی ہے اور دوسری طرف اس بات کو ماننا بھی تھوڑا مشکل ہے کہ دس صدیوں پر مشتمل ایک طویل عرصے میں یورپ کی

مختلف ملکوں پر محیط آبادی میں ایک بھی نیا نظریہ سامنے نہ آیا ہو، جبکہ تاریخی شواہد مندرجہ بالا مطلب کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ ساتویں صدی میں اسلام کا ظہور ہوا کہ جس نے اسلامی تمدن کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس طرح یورپ میں نفوذ کیا کہ وہاں کے لوگ اسے تمدنِ اسلامی کے نام سے یاد کرنے لگے۔ یہ تو واضح ہے کہ یہ اسلامی تمدن کاملا جدید اور مسیحیت و یہودیت کے افکار سے جدا تھا تو اس لحاظ سے یہ سوال مغربی مفکرین کے لئے ایک چیلنج کے طور پر سامنے آتا ہے کہ آخر کیوں قرون وسطی میں اسلامی تمدن کے آغاز پر دورِجدید کا اطلاق نہیں ہوتا ہے؟اس سوال کے جواب میں مغربی مفکرین نے ہمارے لئے اور آسانی پیدا کر دی ہے کہ ان کے مطابق ہر نیا نظریہ و فکر جدیدیت نہیں ہے بلکہ جدیدیت ایک ایسا نظریہ ہے جس کی کچھ خاص خصوصیات ہیں اور وہ ہر قسم کی دینی قیود سے آزاد ہے۔ ایک دینی انسان کہ جس کا ایک طرف تو اس کے خدا سے رابطہ ہے اور دوسری طرف قیامت اور روزِ سزا و جزا پر ایمان ہے، اس کے بر عکس ایک غیر دینی و ماڈرن انسان نے ایک طرف اپنا رابطہ اپنے آغاز سے منقطع کر دیا ہے اور دوسری طرف قیامت پر ایمان کو حذف کر دیا ہے اور اس کے نزدیک موجودہ مادی دنیا اور زندگی ہی درحقیقت انسان کا ہدف ہے۔ نتیجے کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر نظریہ و فکر ماڈرن نہیں ہوتی ہے بلکہ جو بھی نظریات و افکار دین کے تحتِ تاثیر ہوں چاہے وہ نئے ہی کیوں نہ ہوں، جدید نہیں ہوں گے بلکہ غیر جدید تصور کئے جائیں گے لیکن اگر آپ انسان و عالم مادہ کو محور و مرکز قرار دیں اور ہر قسم کی دینی و غیر دینی مرجعیت کی نفی کریں اور تنہا عقل یا حسِ بشر کو وسیلہ بنائیں تو وہ جدید فکر تصور کی جائے گی بے شک وہ گذشتہ زمانے میں بھی موجود رہی ہو۔ مثال کے طور پر ماڈرن و جدید معاشرے میں ہم جنس پرستی آج کل بہت مقبول ہے اور اس کا جدیدیت کے ساتھ کوئی تضاد بھی نہیں ہے لیکن یہ وہ عمل و کردار ہے جسے کے بارے قرآن کریم چند ہزار سال پہلے قوم لوطؑ کی طرف نسبت دیتا ہے۔(29:28-35)

4۔سائنسی علوم یاعلوم تجربی

ایک اور پہلو جو کہ مغربی تمدن میں اساسی اہمیت رکھتا ہے وہ جدید معاشرے میں سائنسی علوم ہیں جس کے ذریعے جدید انسان جہان بینی اور ہستی شناسی کو صرف اور صرف عالم مادہ میں محدود کر دے اور سوائے مادی زندگی کے کوئی اور ہدف یا مقصد نہ رکھتا ہو۔ مغربی دنیا میں دوسری جنگ عظیم کے بعد بعض محققین نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا علم و ٹیکنالوجی، سیاست اور فوجی طاقت کی رشد و ترقی کے لئے استعمال ہونے چاہییں؟ یہی سوال سبب بنا کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے استاد روٹن (Ruttan, V.W, 2006) نے اِس بارے کتاب لکھی۔[19] خود مغرب نے انسانی و سماجی علوم کو اپنے رقیب یا مخالف ملکوں کے خلاف استعمال کیا ہے جس کا مشاہدہ ہم پچاس کی دہائی میں سرد جنگ کے مطالعے سے کر سکتے ہیں۔

ایک مشہور مغربی اسکالر پیٹر۔ایف ڈرکر (Drucker, P.F 1986) جس کو جدید مینجمنٹ کا بانی کہا جاتا ہے، نے اپنی کتاب میں مغربی مادی نگاہ کو خود اِس طرح بیان کیا ہے کہ "جس حد تک جدید یونیورسٹی کی تاریخ کو میں جانتا ہوں، ایک جرمنی کے سفارت کار اور ولیم وون ہمبولٹ (Wilhelm von Humboldt) نے مل کر 1809 کے اندر برلن میں ہمبولٹ برلن یونیورسٹی کا قیام کیا جس کے دو ہدف قرار پائے، ایک یہ کہ فرانس سے علمی و فکری رہبری کو لے کر جرمنی کو دینا اور دوسرا یہ کہ فرانس کے مثبت پہلوؤں کو حاصل کرکے خود اُنہی کے خلاف استعمال کرنا، پھر پیٹر۔ایف ڈرکر نے مزید لکھا ہے کہ "اِس یونیورسٹی کی تاسیس کے ساٹھ سال بعد 1870 میں جب جرمنی کی یہ یونیورسٹی اپنے عروج پر تھی تو اُس وقت ہمبولٹ کے یہ افکار بالخصوص ایک تغییری عامل کے طور پر امریکہ کی یونیورسٹیوں میں مقبول ہو گئے"[20]

مغربی دنیا میں انسانی علوم اور معاشرہ سازی کی بہت سے بحثیں ایسی ہیں کہ جن کی بنیاد مادیت اور سیکولرزم پر استوار ہے۔ مغرب میں سیکولرزم کی اصطلاح پہلی دفعہ سولہویں صدی کے آخر میں استعمال کی گئ اور اس سے مراد یہ تھی کہ وہ ادارے اور ریاستیں جو کلیسا کے ماتحت تھیں وہ اس کے بعد کلیسا کی حاکمیت سے خارج ہوں گی اور حکومت غیر روحانی یا غیر مذہبی ہو گی۔ لیکن عصر حاضر میں سیکولرزم کی اصطلاح دین و سیاست کی جدائی کے معنی میں استعمال ہونے کے ساتھ ساتھ عقل و جدیدیت کی بنیاد آزادی مطلق کے معنی میں بھی ہے۔ سیکولرزم انسان کو حیوان بنا کر اُس کی معنوی حیثیت کی تردید کرتی ہے۔ ہم تاریخی شواہد کی بنیاد پر کہہ سکتے ہیں مغربی علوم کی بنیاد سیکولر ہے اور بعض مغربی نظریہ پردازوں نے اِس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک روشنفکر یہودی محقق ہنا آرنڈنٹ (Hannah Arendt) نے اپنے مضامین کے مجموعے میں یہ لکھا ہے کہ "موجودہ انسانی و سماجی علوم فلسفہ شکاکیت[21] کی بنیاد پر سیکولر معاشرے کا ماحصل ہیں اور اِن علوم میں پیشرفت دین سے جدائی کے ذریعے ہی ممکن ہے جس طرح مغرب نے اپنے مذہبی راہنما کو حکومت و سیاست سے جدا کر دیا ہے تو اِسی طرح تمام دنیا اگر علمی ترقی کرنا چاہتی ہے تو وہ دین و مذہب کو حکومت و سیاست سے جدا کرے"[22]

ہنا آرنڈنٹ (1906-1975) کا شمار بیسویں صدی کی یہودیوں کی برجستہ شخصیات میں ہوتا ہے اور اِس نے دوسری جنگ عظیم میں پہلی دفعہ امریکہ کے لئے جاسوسی کرنے والا ایک دفتر تشکیل دیا، جس نے اپنی کامیاب کارکردگی کے بعد امریکی خفیہ ایجنسی سی۔آئی۔اے کے لئے زمینہ ہموار کیا۔

انگلینڈ کے ایک محقق سانڈرز (Saunders) نے اپنی کتاب میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ امریکی خفیہ ایجنسی سی۔آئی۔اے نے مندرجہ ذیل انسانی و سماجی علوم کے مجلّوں کو مختلف فلاحی اداروں کے ذریعے بھاری رقوم بھجوا کر دوسری جنگ عظیم کے بعد رائے عامہ کو اپنے موقف کے حق میں ہموار کرنے کے لئے استعمال کیا کیونکہ یہ مجلے

ان ممالک کے عوام پر تاثیر رکھنے والے مجلے سمجھے جاتے تھے۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے جن انسانی علوم کے مجلّوں کا استعمال کیا اُن میں امریکہ کا مجلّہ (Partisan Review)، انگلینڈ کا (Encounter)، فرانس کا (DerMonat)، اٹلی کا (Tempo Presente)، جنوبی امریکہ کا (Cuardernos)، آسٹریلیا کا (Quadrant) اور انڈیا کا (Quest) مجلّہ شامل ہے۔ اور جن فلاحی اداروں اور این۔جی۔اوز کے ذریعے مذکورہ مجلّوں کے مدیروں کو پیسے دیئے گئے اُن میں (Rockefeller foundation America)، (Fordfoundation America)، (Hoblitzelle foundation)، (FlorenceGould foundation) شامل ہیں۔[23]

اِسی طرح معروف محقق گِڈنز (Anthony Giddens) بھی جدید معاشرہ سازی کے تمام علوم کو سیکولر تعبیر کرتا ہے اور اِس نے جدید معاشرہ سازی کے اوپر کم و بیش چونتیس کتابیں لکھی ہیں۔

ایک اور مغربی محقق وینڈل بل (Wendell bell) نے بھی اپنی کتابوں میں یونیورسٹیوں کے علوم اور معاشرہ سازی اور اس کی شناخت کے علوم کی بنیاد سیکولرزم اور مادیت کو قرار دیا ہے۔

5۔ مغرب کی تقلید کے نقصانات

یہ حقیقت ہے کہ وسیعی سطح پر پھیلا دیئے جانے والے یہ مغربی سماجی و انسانی علوم کے نظریات عوام و خواص حتی حکمرانوں کے ذہنوں پر بھی اثر انداز ہو رہے ہیں جبکہ اِن نظریات کی بنیاد و اساس غیر توحیدی و غیر الٰہی ہے اور اِس طرح غیر محسوس طریقے سے ہمارا معاشرہ غیر اسلامی معاشرے کے مشابہ ہوتا جا رہا ہے جس کا مظاہرہ ہم سب کر رہے ہیں۔ فارسی کا مقولہ ہے "عیاں را چہ بیاں" کہ جو چیز نظر آ رہی ہو تواُس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ آج کی تعلیم آج ہی نتیجہ دے رہی ہے۔ ہمارے معاشرے کے حالات ہماری تعلیم کے ناقص ہونے کا ثبوت ہیں۔ ایک بڑی مشکل جس کا ہمیں اپنی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں سامنا ہے وہ مغربی مفکرین کی کتابیں ہیں جن کو ہم نے ترجمہ کرکے اپنے طالبعلموں کے ہاتھوں میں مقدس صحیفہ بنا کر تھما دی ہیں اور اس سے بڑھ کر دلچسپ بات یہ ہے وہ مغربی افکار جو پرانے یا منسوخ ہو جاتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے افکار پیش کر دیئے جاتے ہیں لیکن یہ لوگ انہی پچاس سالہ پرانے نظریات و افکار کو ہی مقدس متن سمجھ کر پڑھاتے رہتے ہیں ایسے افراد کے دو عیب ہیں ایک یہ کہ وہ مغرب کے مقلد ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ جدید افکار اور ہونے والی تبدیلیوں سے بے خبر ہیں جبکہ ہمیں چاہیئے کہ ہم مغربی افکار پر نقد کی جرات اور صلاحیت پیدا کرکے ایسے افکار پیش کریں جن کی اساس الٰہی ہو۔ یہ وہ سازشیں ہیں جن کو کئی سو سال پہلے تیار کیا گیا تھا، یہ وہ منصوبے ہیں جو ہمارے کالجوں، یونیورسٹیوں، تعلیمی اداروں حتی دینی مدارس کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ آپ اِس وقت عوام کو چھوڑیے پڑھا لکھا طبقہ خواہ وہ یونیورسٹی کا فارغ تحصیل ہو یا یونیورسٹیوں کے اساتذہ کا طبقہ ہو، خواہ وہ جدید تعلیم یافتہ ہوں یا قدیم تعلیم یافتہ

ہوں، اِس قدر مغرب سے مرعوب ہیں کہ گویا دنیا میں نجات دہندہ سلیبس مغرب کا ہی ہے۔ میں نے کچھ عرصہ پہلے بنام آزادی لکھی گئی اپنی ایک غزل میں دو شعر کہے تھے:

جو خود غلام ہیں مغرب کی درسگاہوں کے
پڑھا رہے ہیں ہمیں وہ نظامِ آزادی

ستم تو یہ ہے کہ اہلِ حَکم بھی سال ہاسال
منا رہے ہیں غلامی بنامِ آزادی

آپ نے شہر ٹرائے (موجودہ ترکی کا ایک شہر جو آجکل اناٹولیا کے نام سے جانا جاتا ہے) میں گھوڑوں کی داستان تو لازمی سن رکھی ہو گی۔ ٹرائے شمال مغربی ایشیا کا ایک قدیم شہر تھا کہ 1871 میں آثار قدیمہ کے جرمن ماہر ہیزخ شیلی مان نے ترکی کے علاقے ہسارلک میں اس کے آثار دریافت کئے جس میں یکے بعد دیگرے مختلف زمانوں میں وہاں آباد ہونے والی بستیوں کے آثار بھی شامل تھے ساتویں بستی (فری جین) تھی جسے ٹرائے کی روایتی جنگ میں یونانیوں نے فتح کیا تھا۔ یونانی چاہتے تھے کہ اِس شکست ناپذیر قلعے کو فتح کریں اور ایک مدت تک اس قلعے کے لوگوں سے حالت جنگ میں رہے۔ ایک رات کہ جب قلعے کے لوگ سو رہے تھے تو گھوڑوں پر سوار یونانی فوج قلعے میں وارد ہو گئی اور اس نفوذ ناپذیر قلعے کو ان کی خواب آلودگی کی وجہ سے فتح کر لیا۔ عین اسی طرح مغربی علوم کے ماہرین نے ہمارے معاشرے میں وارد ہو کر ہماری خواب آلودگی سے فائدہ اٹھایا ہے اور جس معاشرے کو اسلامی علوم کی بنیاد پر پروان چڑھنا چاہیے تھا آج وہاں غیر الٰہی علوم رائج ہیں۔ آج ہمارے معاشرے کو خود باور ہونا چاہئے تھا لیکن ہمارا معاشرہ خود باختہ نظر آتا ہے، جن جوانوں کو عدالت خواہی، محنت اور سخت کوشی کے اوصاف سے متصف ہونا چاہئے تھا آج وہ جوان طائوس و رباب کی لذتوں میں اسیر نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ ہمارے ہاں رائج علوم کی بنیادیں ہی مادیت پہ مبنی ہے لہٰذا نتائج بھی ایسے ہی سامنے آئیں گے۔ یہاں میر تقی میر کا شعر یاد آ رہا ہے:

مبادا کارواں جاتا رہے تو صبح سوتا ہے
بہت ڈرتا ہوں میں اے میر تیری دیر خوابی سے

6۔ اسلامی تمدن کے مراحل

جب تک ہم انسانی علوم کی بنیاد میں تبدیلی لے کر نہیں آئیں گے تب تک ہم اسلامی تمدن کے تحقق کی امید نہیں رکھ سکتے ہیں۔ تاریخ بشریت ہمیشہ حق و باطل کے محاذ پہ موجود رہی ہے اور ہم مغربی علوم کے نتیجے میں قائم

ہونے والے تمدن کو باطل محاذ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی اجتماعی زندگی سے دین کو حذف کرکے انسانیت کو تسخیر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ ناکام رہے ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ جس کی بنیاد مادیت پر ہو اُس معاشرے کے علوم بھی مادی لذتوں کے حصول کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور معنوی و اخلاقی انحطاط مغربی معاشرے میں اتنا تیزی سے آگے بڑھا کہ اُن کے اقتصاد، ثقافت، سیاست اور اجتماعی و انفرادی زندگی پہ غالب آگیا ہے۔

دوسری طرف توحیدی و الٰہی نظریات کی بنیاد پر علوم کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل پاتا ہے جو روحِ انسان کی گہرائی کی صفاتِ حمیدہ سے مُتصف، ظلم و عدالت کی ستیزہ گاہ اور انفرادی و اجتماعی معنویت کو عبور کرکے سعادتِ بشر کی صورت میں اسلامی تمدن کی اساس ثابت ہوتا ہے۔ امام خمینی رحمتہ اللہ علیہ اِس بارے فرماتے ہیں کہ: "مغرب کی بُری ثقافت سے باہر نکلنا اور اُس کی جگہ ہر میدان میں اسلامی ثقافت کو رائج کرنا ایک ایسی کوشش ہے جس کے تحقق کے لئے بہت لمبے عرصے تک محنت وزحمت کرکے مغربی نفوذ اور ان کی جڑوں کے خلاف مبارزہ کیا گیا ہے"[24]

اسلامی تمدن کے تحقق تک پہنچنے کے لئے ایک معاشرے کو مختلف مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ اسلامی تمدن تک پہنچنے کا پہلا مرحلہ ایک ایسا انقلاب ہے کہ جو الہامی استعداد سے اسلام کی عظمت رفتہ کو بحال کرکے اسلام کو بطور نظامِ حیات پیش کرے۔

اس کے بعد کا مرحلہ اسلامی حکومت کے نفاذ کے ذریعے اسلامی معاشرے کا قیام ہے جس میں تمام ترشعبے اسلامی علوم کی روشنی میں نافذ العمل ہوں مثال کے طور پر اگر ہم اسلامی معاشرے کے بانی و موٴسس کے زمانے پر ایک اجمالی نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کے معاشرے کے اجرائی و اداری نظام کے سربراہ خود رسول خداﷺ تھے، آپ ابلاغ و وحی، بیان و تفسیر، عقائد و احکام کے ساتھ ساتھ اسلامی احکامات کے اجراء اور اسلامی نظام کی برقراری کے لئے بھی پوری پوری سعی کرتے تھے تاکہ ایک اسلامی حکومت کا وجود عمل میں آئے مثلاً اس زمانے میں صرف قانون جزا کے بیان پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا اجرا بھی کرتے تھے، چور کا ہاتھ کاٹتے تھے، زانی پر حد جاری کرتے تھے، رسول خدا کی سنت اور رویہ اسلامی حکومت کے لازم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اول آپ نے خود حکومت بنائی اور قانون کا اجراء کیا، اسلامی نظام قائم کیا اور معاشرے کا باقاعدہ انتظام کیا، اطراف میں والی بھیجے، قضاوت فرمائی، قاضیوں کا تقرر فرمایا، بادشاہوں اور قبائل کے پاس سفیر بھیجے، معاہدے اور پیمان باندھے، جنگ کی سربراہی کی، بیت المال کا نظام ترتیب دیا، مختصر یہ کہ تمام حکومتی احکامات کی انجام دہی فرمائی اور یہ تمام تر اقدامات اسلامی بنیادوں پر انجام پائے۔ لہٰذا جب اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو پھر اس کے بعد اسلامی معاشرہ قائم ہو گا جس کے نتیجے میں اسلامی تمدن وجود میں آئے گا۔

بعض روشنفکر مغربی مفکرین کے نزدیک اسلام کا ہدف حکومت ہے جبکہ ہمارے نزدیک اسلام کا ہدف حکومت نہیں ہے بلکہ حکومت اسلامی معاشرے اور تمدن کے تحقق کے لئے ایک وسیلہ ہے۔ جواچم واچ Joachim Wach ایک جرمنی کا معاشرتی و دینی علوم کا مشہور مفکر کہتا ہے کہ "جس طرح قرون وسطی میں مسیحیت کے اندر کلیسا اور حکومت کے درمیان جنگ کے بعد جدائی پیدا ہو گئی، اسلام میں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اسلام ایک خاص سیاسی نظریے کا حامل ہے جو اس کے اپنے ساتھ مخصوص ہے" [25] ایک اور مغربی مفکر (Hamilton Gibb) ہمولٹن گب اپنی کتاب " اسلام، یک بررسی تاریخی" میں کہتا ہے کہ "پیامبر اسلام کی نگاہ میں تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد ایک دینی حکومت کو تشکیل ہے"۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بات یہاں تک درست ہے کہ اسلام کے بہت سے احکامات حکومت حاصل کئے بغیر تحقق پیدا نہیں کر سکتے ہیں لیکن اسلام کے نظریات کے مطابق حکومت ایک وسیلہ ہے جس کے ذریعے اسلامی معاشرے اور اسلامی تمدن کو قائم کرکے اجتماعی عدالت کا نفاذ کیا جاسکے۔ اسی لئے اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو اہلِ مغرب نے نہ صرف علوم کے میدان میں بہت زیادہ کام کیا ہے بلکہ سیاسی نفوذ کو بھی بہت زیادہ بڑھایا ہے تاکہ مسلمان حکومت حاصل نہ کر سکیں اور جہاں جہاں بھی آزادی و استقلال کی تحریکوں نے سر اٹھایا ہے یا کامیاب ہوئیں تو مغرب نے فوراً کوشش کی ہے کہ مسلمان کبھی بھی استقلال حاصل نہ کریں کیونکہ اس کے ذریعے یہ اپنے معاشرے کو اسلامی تمدن کی طرف لے جا سکتے ہیں۔ مثلاً الجزائر کا انقلاب ایران کے اسلامی انقلاب کی طرح بلکل اسلامی تھا جو کہ فرانس کی طرف سے وہاں غاصب حکومت کے خلاف مساجد، علماء دین، حوزہ علمیہ اور مدارس دینیہ سے شروع ہوا لیکن وہاں ایک دن کے لئے بھی دینی حکومت قائم نہیں ہو سکی تھی، اُسی پہلے دن سے ہی فرانس نے الجزائر کے لوگوں کا قتل عام شروع کر دیا اور اُس زمانے میں عرب ممالک اور شمالی افریقا کی تاریخ میں الجزائر " ایک ملین شہداء کی سرزمین " کے نام سے معروف ہو گیا لیکن فرانس نے وہاں اپنی ثقافت وعلوم کو زبردستی نافذ کیا یہاں تک کہ وہ اپنی زبان بھی بھولنے لگے۔ آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے نقل کیا ہے کہ جب میں ایران کا صدر تھا تو الجزائر کے بزرگان میں سے ایک بڑی شخصیت مجھ سے ملنے کے لئے آئی۔ وہ میرے ساتھ عربی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ وہ کوئی جملہ کہنا چاہ رہے تھے لیکن عربی کا لفظ ان کے ذہن میں نہیں آ رہا تھا، اس کے باوجود کہ وہ اپنی زبان میں بات کر رہے تھے اور حکومتی ترجمان بھی رہ چکے تھے لیکن تھوڑی دیر سوچنے کے باوجود بھی ان کے ذہن میں لفظ نہ آیا اور پھر انہوں نے اپنے ساتھ موجود ایک اور شخص سے فرانسوی زبان میں پوچھا کہ فلاں لفظ کا عربی ترجمہ کیا ہوگا، اُس نے پھر ان کو بتایا تو اس کے بعد انہوں نے دوبارہ میرے ساتھ بات کو آگے بڑھایا۔ [29] یعنی انہوں نے نہ صرف دین بلکہ وہ اپنی زبان کہ جس کی اہمیت کے وہ بہت زیادہ قائل تھے اس کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکے، اسلام کی تو وہاں

مطلّقا کوئی خبر نہ رہی۔ لہٰذا مغرب نے ہر میدان میں کوشش کی ہے کہ اسلامی تمدن کوپنپنے نہ دیا جائے۔ایک زمانہ تھا کہ اہلِ مغرب نے مسلمانوں کے علم و دانش، تجربات اور فلسفہ سے استفادہ کیااور اپنے تمدن کے لئے جہاں جہاں ضرورت پڑی اس کو استعمال کیا لیکن چونکہ بنیاد مادی تھی لہٰذا ہر قسم کے جائز و ناجائز وسیلے کو بروئے کار لائے۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں انہوں نے یہ کام شروع کیااور اندرونی طور پر خود کو مضبوط کیااور اپنے علم و دانش کی بنیاد پر مغربی تمدن ترتیب دیا اور اس تمدن کو بشریت پر حاکم کر دیا۔ یہ کام انہوں نے صرف چار یا پانچ صدیوں میں انجام دیا ہے اور صرف جدید ٹیکنالوجی کی بنیاد پر لوگوں کی زندگیوں میں بظاہر آسانیاں پیدا کیں لیکن خوش بختی، عدالت، کرامت انسان، برابری کہیں نظر نہیں آئے گی۔ مغربی تمدن بظاہر بہت خوبصورت نظر آنے والا ہے لیکن اس کا باطن بشریت کے لئے خطرناک ہے اور آج پوری دنیااس کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ بلکہ آج خود مغربی تمدن کے تضادات سامنے آ رہے ہیں، امریکہ ایک مختلف طریقے سے خود کو پیش کر رہا ہے، یورپ ایک الگ طریقے سے اور جو ممالک ان کے ماتحت حکومتیں چلارہے ہیں وہ کسی اور طریقے سے سامنے آ رہے ہیں۔ اب یہ ذمہ داری ہم تک آ پہنچی ہے کہ ہم اسلامی تمدن کے لئے زمینہ ہموار کریں اور اسلام کو اس کے اصلی افق تک پہنچائیں۔ اوپر جو کچھ بھی کہا گیا ہے اس میں مغربی تمدن پر سنجیدگی سے نقد ہونا چاہیے اور اسلامی تمدن کے قیام کے لئے جن جن میدانوں کا ذکر کیا گیا ہے بالخصوص انسانی و اجتماعی علوم کی بنیادوں کو اسلامی اساس پر تبدیل کرنے کی ضرورت ہے یعنی علوم کو صرف حاصل نہ کریں بلکہ علم کی تولید بھی کریں اور آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ممکن ہے کہ مختلف شخصیات، افراد، قومی و مذہبی مفکرین کی نگاہ اس میں کسی حد تک متفاوت ہو کہ کیسے اِس عمل کو انجام دیا جائے لیکن یہ تفاوت اِس موضوع کو سمجھنے میں کوئی مشکل ایجاد نہیں کرتا ہے۔

نتیجہ

اسلامی تمدن و مغربی تمدن کی بنیادوں میں اساسی فرق موجود ہیں جن میں سے پہلا فرق یہ ہے کہ اسلامی تفکر میں اللہ تعالی پر اعتقاد اور اس کو عالم ہستی کا خالق ماننا ہے اور عالم ہستی کا ربط و وابستگی خدا کی ذات سے اس طرح ہے کہ اگر ایک لحظے کے لئے بھی یہ ربط منقطع ہو جائے تو نظامِ جہان معدوم ہو جائے گا جبکہ تمدن غرب میں ہستی مادہ کے مساوی ہے اور یا تو خدا کا وجود نہیں اور اگر خدا موجود ہے بھی تو اس عالم میں کسی قسم کی دخالت نہیں کر سکتا ہے اور قیامت کے بطور کلی انکار کے ساتھ ساتھ انسان کو مادی زندگی کے اہداف تک محدود کرنا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ اسلامی تمدن کے مطابق خدا مالکِ عالم ہے اور تمام مخلوقات کا اختیار خدا کے پاس ہے اور اپنی حکمت مطلقہ کے تحت تصرف کر سکتا ہے جبکہ انسان مملوکِ خدا ہے لہٰذا انسان کا علم محدود ہے اور خدا نے انسان کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے تا کہ وہ انسان کی ہدایت کر سکیں۔ مغربی تمدن میں وہ خدا کے مالک ہونے کے معتقد

نہیں ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی اور اس کے مستقبل کا خود حاکم ہے اور انسان خود تشخیص دے کہ اسے کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا ہے۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ دنیائے اسلام کو ایک ایسے تمدن کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے جو کہ سیکولر، غیر دینی یا ماڈرن مغربی تمدن نہ ہو بلکہ اس کی بنیاد اسلامی ہو۔

*****

حوالہ جات

1۔ محمد، سپہری، *تمدن اسلامی در عصر امویان*، (تہران: نور الثقلین، 1385ش) ندارد۔

2۔ فوزی، یحییٰ و صنم زادہ، محمود رضا، (1391)، «تمدن اسلامی از دیدگاہ امام خمینی (رہ)»، فصلنامہ علمی، پژوہشی تاریخ و فرہنگ تمدن اسلامی، ندارد، شمارہ 99 سال سوم (ندارد): ندارد۔

3۔ علی اکبر، ولایتی، *پویایی فرہنگ و تمدن اسلام و ایران*، ج 1، (تہران: وزارت امور خارجہ، 1384) ندارد۔

4۔ حسن، مصطفوی، *التحقیق فی کلمات القرآن*، (تہران، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، 1360) ندارد۔

5۔ علامہ محمد تقی، جعفری، *فرہنگ پیرو، فرہنگ پیشرو*، ج 6 (تہران: انتشارات علمی و فرہنگی، 1373) ندارد۔

6۔ ندارد، ندارد، *در آمدی بر آزاد اندیشی و نظریہ پردازی در علوم دینی*، ندارد، ندارد، ندارد، ندارد، (1383): ندارد۔

7۔ دورانت، ویل، تاریخ تمدن، احمد آرام و دیگران، تھران (ندارد: ندارد، 1373ش) ندارد۔

8۔ ندارد، ندارد، *صحیفہ امام خمینی رہ*، ج 8، (تہران: مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ندارد) 268۔

9۔ سید عبد الغنی، اردبیلی، *تقریرات فلسفہ*، (تہران: مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام، 1381) ندارد۔

10۔ علامہ محمد حسین، طباطبائی، *تفسیر المیزان*، ج 5، (ندارد: ندارد، ندارد) 189۔

11۔ روح اللہ، خمینی، *کتاب البیع*، ج 2، (تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، 1388) 722۔

12۔ محمد بن یعقوب، الشیخ کلینی، *اصول کافی*، ج 2 (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، 1363) 251۔

13۔ CAhoone, Lawrence (1996) , From Modernism to postmodernism, P. 11 , U.S.A , Blackwell.

14۔ بابک، احمدی، مدرنیتہ و اندیشہ انتقادی (تہران: ندارد، 1373ش) 9۔

15۔ دان، کیوپیت، دریای ایمان، حسن کامشاد، طرح نو (تہران: ناشر، 1376ش) ندارد۔

16۔ خوسہ ارتگا، ای گاست، انسان و بحران، احمد تدین (تہران: شرکت انتشارات علمی و فرہنگی) ندارد۔

17۔ برتراند، راسل، تاریخ فلسفہ، غرب، نجف دریابندری (تہران: کتاب پرواز، 1373ش) ندارد۔

18۔ برتراند، راسل، تاریخ فلسفہ، غرب، 1373ش ندارد۔

19. Ruttan, V. W. (2006). Is War Necessary for Economic Growth?; Military Procurement and Technology Development. Oxford University Press.

20. Drucker, P. F. (1986). Innovation and Entrepreneurship: Practice and Principles. Perfect Bound.

21۔ شکاکیت معاشرہ شناسی کے بارے ایک ایسی فلسفیانہ نظر ہے کہ جن کا دعوی یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور تجربے کی بنیاد پر جو کرتا ہے وہی درست ہے اور سوائے عقل کے انسان کے پاس کوئی اور منبع نہیں ہے کہ جس کے ذریعے انسان کسی چیز کی شناخت کر سکے۔

22۔Arendt, H. (1990). Religion and politics In Arend, H. (1990). In Arendt, H. (1990). Essays in understanding (1930-1954); Formation, exile, and totalitarianism (pp. 368-390). Schocken.

23۔ Saunders, F. S. (1999). The Cultural Cold War. UK: The New Press.

24۔ ندارد، صحیفہ امام خمینیؒ، ج19، (تہران: مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ندارد)، 110

25. Wach, Joachim. (Sociology of religion).

کتابیات

1) سپہری، محمد، تمدن اسلامی در عصر امویان، تہران، نور الثقلین، 1385۔

2) فوزی، یحییٰ [یحییٰ فوزی]، صنم زادہ، محمود رضا [محمود رضا صنم زادہ]، تمدن اسلامی از دیدگاہ امام خمینیؒ، فصلنامہ علمی ــ پژوہشی تاریخ و فرہنگ تمدن اسلامی، 1391۔

3) ولایتی، علی اکبر، پویایی فرہنگ و تمدن اسلام و ایران، تہران، وزارت امور خارجہ، 1384۔

4) مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن، تہران، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، 1360۔

5) جعفری، علامہ محمد تقی، فرہنگ پیرو، فرہنگ پیشرو، تہران، انتشارات علمی و فرہنگی، 1373

6) ندارد، ندارد، درآمدی بر آزاد اندیشی و نظریہ پردازی در علوم دینی، ندارد، ندارد، ندارد، (1383): ندارد۔

7) ندارد، ندارد، صحیفہ امام خمینیؒ، تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ندارد۔

8) اردبیلی، سید عبدالغنی، تقریرات فلسفہ، تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام، 1381۔

9) طباطبائی، علامہ محمد حسین، تفسیر المیزان، ج5، ندارد، ندارد، ندارد۔

10) خمینی، روح اللہ، کتاب البیع، تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، 1388۔

11) الشیخ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی تہران، دار الکتب الاسلامیہ، 1363۔

12) V. W. Ruttan, (2006). Is War Necessary for Economic Growth?; Military Procurement and Technology Development. Oxford University Press.

13) P. F. Drucker, (1986). Innovation and Entrepreneurship: Practice and Principles. Perfect Bound.

14) H. Arendt, (1990). Religion and politics In Arend, H. (1990). In Arendt, H. (1990). Essays in understanding (1930-1954); Formation, exile, and totalitarianism Schocken.

15) F. S. Saunders, (1999). The Cultural Cold War. UK: The New Press..

16) Joachim. Wach, (Sociology of religion).

EVALUATING THE ECONOMIC RESILIENCE OF SAARC COUNTRIES BY USING AHP-TOPSIS APPROACH

Dr. M. Ghaffari Fard
Mazhar Hussain

Abstract:
Economic resilience is new discussion which was disclosed by the economists after the conspicuous global financial crises of 2007-8. Throughout the years, numerous determinants have been used by different economists to calculate the resistance of any economy against these shocks. However, among them, the determinants used by Briguglio are broadly appreciated. Similarly, in this research paper mostly the similar determinants have been used to determine the economic resilience of the SAARC countries and its observer members, Iran nevertheless, Afghanistan has been excluded due to unenviable data. For the construction of resilience index and evaluating the ranking of countries the AHP (Analytical Hierarchy Approach) and TOPSIS approaches have been used. While Expert Choice software gave us suitable weightage for the selected determinants. The findings of the study reveal that, India is ranked as the top, followed by Iran and Bangladesh as third among the SAARC countries. Bhutan and Pakistan are ranked as low due to low progress in macroeconomic indicators and the selected determinants of the economic resilience. This study, would like to divert the attention of policy makers and government authorities, they should decrease the broaden gap of external debt and fiscal deficits of the economies. They have to invest more in social development and decline their reliance on the imports. Additionally, they should more focus on the concentration of exports in a few limited group of products which are highly vulnerable to the adverse shocks.

Key Words: *Economic resilience, AHP-TOPSIS approach, SAARC Countries, Exogenous shocks.*

Introduction:

The most recent, countries are subjected to a wide variety of economic shocks, including, financial crises, foreign debt crises, commodity price fluctuations and natural disasters. They may increase the risk and uncertainty of the households. Investors, customers and governments. In the case of such vulnerabilities economy should be resilient to adverse shocks, because they could derail the sustainable growth and developments of the country. That's why theses shocks are the main concern of the policy makers to identify the crucial factors of the country's resilience to adverse shocks. They may be defined the capacity and potential of the country to cope with such shocks and probability to reduce these vulnerabilities (Rohn, 2015). The notion of resilience has been used for a long time in the physical sciences, engineering, ecological sciences and psychology, but in the last few decades, it attracted the attention of regional economists and geographers (Martin 2011). Most of the dictionaries define the resilience term as the ability to recover quickly from shock, but in economic literature this has been used in three senses, i.e. shock counteraction (ability to recover quickly), shock absorption (the ability of an economy to withstand against shock) and the third is termed as the ability of an economy to avoid shocks (Briguglio, 2008). After the global financial crises of 2007-2008 many of the economists diverted to this angle that how could risk of vulnerabilities be minimized against the undesired disturbances? The smaller states of the world are considered highly vulnerable to having a high GDP per capita due to highly dependent on openness of international trade, strategic imports and concentration on exports to lack of their domestic market efficiency (Briguglio, 2009). Briguglio (2004), divided the countries in four major scenarios termed as "best case", "self-made" 'prodigal son" and

worst case. The countries nominated as self-made are those which refer to the highest degree and inherent economic vulnerability, but due to adoption of suitable polices resist the shocks. The countries have self-made ability to build the economic resilience to exogenous shocks. The prodigal son countries those have a low degree of inherent vulnerability like a son who is born in the rich family. The worst countries scenarios lead to a high degree of inherent economic vulnerability, but adoption of economic resilience enable them to minimize the effects of shocks. Brguglio (2008), for the construction of resilience index has defined the four major areas, which were further divided into sub-indicators. Macroeconomic stability, microeconomic market efficiency, good governance and social development are essential components of the economic resilience. These components have ability to absorb the effects of adverse shocks. Microeconomics market efficiency depends on the economic freedom and choices of the consumer for construction index, he used the economic freedom world index, which has published by the Fraser institute yearly to define the ranking of countries for economic freedom, it also has been constructed by its sub-indicators like the size of government, sound money, system of property rights and freedom of international trade.

The FM global resilience index, defines the resilience as the combination of the vulnerability of a country to supply chain disturbance and the efficiency of the country to recover from such hurdles. The index explains twelve key components of resilience, including political risk, natural hazard risk quality, productivity, control of corruption, oil intensity, quality of infrastructure, urbanization rate and planning to risk management. These components are marginalized into three broad factors like, economic, risk quality and supply chain. In this method index is

constructed and combined for 130 countries and territories. In 2016 Switzerland ranked first[1] among the countries due to its efficient infrastructure, prime location, and quality for suppliers, economic productivity and resilience to oil shocks. The world economic forum global risk report[2] explored the qualitative and quantitate indicators to access the resilience of the national economy to adverse global shocks. It had been observed by main systems (economic, environmental, governance, infrastructure and society) of the economy by the five crucial component robustness, redundancy, resourcefulness, response and recovery.

Resistance Economy and Economic Resilience

Resistive Economy is a resilient economic situation of the economy which has the capacity to stand against unforeseen shocks. In economic literature, this term is mainly used to overcome the conditions of the blockade and economic sanctions. The term "resistance economy" first appeared in economic literature in 2005, when Gaza was blockaded by Israel. In September 2007, Israel surrounded Gaza and imposed a complete blockade on the Gazans which resulted in their haven of limited access to imports and exports of agricultural amenities. In the article: "What is Resistance Economy and Can It Made an Alternative?" – Tariq (2014, p. 6), he introduced the dimensions of a resilient economy in Palestine and considered this to be the only kind of 'resistance economy' which could improve the Palestinian situation. He stressed the importance of resistance economy which relies only on agriculture and which

can divert the economy towards development. Another researcher in the agricultural sector suggested that a resilient economy could be a viable policy that would ensure the survival of Gaza under the siege. Because the people of Gaza rely on the cultivation of agricultural products to meet the demands of everyday life, the Palestinian government should therefore back the agricultural sector with resilient economic policies.

The Supreme Leader (of Iran) also referred to Resistance Economy in September 2010 and stressed upon the importance and promotion of self-reliance and confrontation of the economic sanctions of the United Nations, the United States, and the European Union. The great leader explained the 'resistance economy' in these words "Resistance economy means that we should have an economy that maintains the economic growth process in the country, along with a decrease in the vulnerability of the economy. In this situation, the economic system of the country should be such that, it would be less damaged and less disturbed by the tricks of the enemies who are always seeking for opportunities by which they could inflict harm upon us. This result could be achieved by utilizing all governmental and public capabilities, and also by the utilization of intellectual ideas of experts and investing more capital in the country."[3] He emphasized the importance of resistance economy and stressed that it is the only strategy by which

we could neutralize the economic sanctions of the United States and the European Countries.

After a few years, he presented a complete plan of resistance economy with its dimensions and polices which is now implemented in the country. He urged all government officials and the general public to advance towards resistance economy as the only way by which they could resist severe economic sanctions. By deploying resistance economic strategies, we could move towards sustainable development. He added that the resistance economy would guide them towards an economy that is independent of oil because, oil-dependent economies are highly vulnerable to external shocks, which are mostly economic sanctions. In situations of economic sanctions, they face budget deficits. Resistance economy is a strategy that is highly dependent on the domestic resources of a country. In the broad definition of resistance economy, the leader explained that by maximal utilization of natural and domestic resources we could make our economy more resilient to external shocks. He said: "We should be aware of the tasks that they can carry out. They impose sanctions! We should develop our economy from the inside. We should turn it into the economy of resistance so that sanctions will not work. The honourable officials should take the economy of resistance seriously. They should not support it just in words. The economy of resistance does not agree with

uncontrolled importation. It does not agree with the weakness in production. They should strengthen domestic production. Government and executive offices should prefer domestic products to their foreign counterparts. One important buyer in the market is executive organizations that buy everything and which need everything. They should prefer what is produced inside the country. The people too should turn to domestic products. All these things will break the spell of the sanctions that the enemy has cast"[4].

The leader described all the dimensions of resistance economy which, when applied to an economy will make it resilient, such as a Knowledge-based economy, an increase in exports, a decreased in imports, export diversification; oil-freed economy and less vulnerable banking systems are crucial dimensions of a resistance economy. Resilient economies are those that can counter the effect of external shocks, along with the absorption of its strong fiscal and monetary policies, because external shocks could derail the sustainable development of the country. However, economic resilience is the situation where the economy could bounce back to its origin. It means that the resistance economy can be defined in a broad sense along with having a resilient feature. So, resistance economy should be resilient to external shocks depending on the domestic resources but, economic resistance may be a feature of resistance economy against unforeseen shocks. Some researchers

are considered both as the same in practical terms, but these are a bit different from each other strategically and in their implementation. Resistance economy, could resist economic sanctions and counter their impact on an economy in order to maintain sustainable development this situation refers to resiliency. However, economic resilience responds after economic shocks in such a way that the economy is able to quell the impacts of shock. The efficient utilization of domestic resources may help make the economy more resilient to exogenous shocks. (Jalili, 2017).

Literature Review

The concept of regional economic resilience is also new discussion among the economists from last decades, which explained the ability of region to recover quickly from exogenous shocks. These shocks diverted the growth path of the regional economy (Edward w. (Nell) 2008). Numerous studies shed light on the importance of economic resilience, some of them are described here.

Samani (2018), investigated his research project on" the impact of political stability on economic resilience" by vaulting that terrorism is the main factor that affects the political stability of the country from very recent years. His well-thought-out political stability is a more crucial factor of economic resilience that directly affects economic resilience. Hence, he divided the countries into developing and developed country group with data panel data spanning from

1996-2014 by using a simple regression model for panel data. He has also compared the important two factors, political stability and economic resilience in the capitalistic system and the Islamic economic system. The findings of the research conclude that political stability, control of corruption, political openness, rent to natural resources and economic openness has a positive, substantial association to the economic resilience of selected countries within a selected time period, while social openness has not significant affiliation with economic resilience. Granger causality test also confirmed that political stability, control of corruption, economic openness, and social openness are important factors of economic resilience, however, political openness has not eloquent causality to economic resilience which suggested by the result of this study.

Nik (2017), documented the impact of economic vulnerability and resilience on GDP per capita volatilities. He used panel data of 106 countries for GDP per capita ranging the time period from 2000-2014. For the construction of vulnerability and resilience indices, he used Briguglio's vulnerability and resilience methods. He estimated GDP per capita volatilities by using a Hodrick-Prescott filter method. The study recommends that economic vulnerability has a significant negative impact on GDP per capita, whereas economic resilience has an expressive positive effect on GDP per capita volatilities. The research also suggests that Iran has low economic resilience and

high economic vulnerability due to high export concentration and weak good governance.

Feli (2018), analyzed the risks to the stability of the Iranian insurance sector and specify its resilience to shocks such as sanctions. He took a deposit interest rate, market concentration, price index, gross domestic product, the total number of cars in use and dollar exchange rate as explanatory variables in his empirical model. The period of time from 2011-2014 deliberated as a dummy variable in the model because that was a peak period of economic sanctions on Iran's economy. The data of 17 insurance companies in Iran covered the period of time spanning from 2006-2016. He applied a least-squares, random effect and fixed effect method for estimation. The results established that economic sanctions did affect Iranian insurance sector stability. Dollar exchange rate, the total number of vehicles in use gross domestic product affects the stability and solvency of the Iranian insurance sector, but product concentration, price index, market concentration, blood money, and deposit interest rate did not distress the insurance sector stability. Hence, the one year lagged of the dependent variable was highly significant in the model which indicates that remaining solvent and resilient are greatly sub-ordinated to the insurance companies themselves

Bishop etl. (2016), studied the impact of crises on Great Britain's local Authority Districts by using economic resilience approach. He

focused on the employment and purposed new methods for the assessment of recession impact. He determined that initial economic conditions, human capital, age structure and urbanization are effective factors which influenced the employment of the districts at the time of crises.

Jahan (2016), she observed the regional economic resilience of resource based community (RBC) of the town of Devon in the province of Alberta Canadian content. She summarized the findings of her research project with three crucial points, firstly resilience of RBC are achievable, secondly Devon town attributed to typical, social, economic and environmental characteristics of RBC but it has experienced the changes towards resilience in social and environmental domains which laid that municipality initiatives and policies were focusing to facilitate development and environmental resilience. Thirdly, she investigated that, the town seized the advantage of its geographical location which increases the economic diversifications and long term resilience.

Dorbniak et.al (2012) they investigated the urban economic resilience of the two post-industrial cities Katowice and Bytom. Katowice is the most developed city among the cities and towns due to its economic structures which is growing up with transformations in the terms of the service sector developments and attracted the foreign direct investment. Besides that conceded as the more vulnerable to shocks

compared to other cities. It defined to less resilient due to population outflow and work place reduction. Bytom, was also assigned to less urban economic resilience, although municipality took the numerous steps for the development of this city.

Wink (2012), discussed the specific challenges of regional economic resilience for Central European postindustrial regions. The concept of regional resilience required to an evolutionary perspective which focused the vulnerabilities and alteration capabilities. The two cases of Leipzig and Halle, illustrated the difficulties and increase that capability. Leipzig seemed to very successful within transition process, which was affected by the foreign direct investment, however the Halle modifications influenced by the constant loss of population. That deliberated the big challenge who could help to sustain the level of employment and population.

Simmie et.al (2009), studied the different definitions of resilience and their effective application for the long-term development of urban and regional economies. They rejected the equilibrist versions of resilience instead of recommending the evolutionary perspective. After discussing the different perspectives, they suggested adaptive cycle model for urban and regional resilience. Two case studies for city-regional economies were tested for that model and recommended adaptive evolutionary cycle model is a framework for the economic resilience.

Jalili and Ronshak (2018), investigated the Iran's economic resilience of selected years from (1384-1394). Unemployment rate, inflation rate, Gini coefficient, total imports and exports ratio to GDP and exchange rate are considered as the determinants of the economic resilience. They concluded that, the economic resilience index of Iran was highest in 1393 SH but it assigned the lowest score in 1383 SH. The findings recommended the positive relation between economic resilience and GDP per capita of Iran.

Data Collection and Methodology

This study, attempt to ovulate the economic resilience index among SAARC countries. Numerous studies has been done regarding other countries, but none of them do about these countries. The main aim of the study, is exploring the economic resilience index and then ranking of the selected countries. By using AHP-TOPSIS approach, we would be ranked the countries on the basis of the determinants of the economic resilience.

SAARC is one of the main rapidly growing region due to emerging market structure. SAARC is the habitat of 2% of the world population that covers the 3% of the global area and shares 3.8% of the global economy. Most of the SAARC countries have four thousand dollars per capita GDP and positive growth rates. Hence, all countries of SAARC are trade deficits because they heavily dependent on the imports rather than their exports. They are still

importing capital machinery, chemicals and raw materials for their domestic production. Due to large population dynamic and emerging market structure they, have attracted more foreign investment inflow. India got 87.8% of the total inflow of FDI followed by Pakistan with 5.3% and Bangladesh's position 3rd with 3.6 %. (UNCTAD database).

In this study, for the emulation of economic resilience index of SAARC countries, different determinants have been accessed. Macroeconomic stability, macroeconomic market efficiency, social development, good governance export independence is main determinants of the study, which have calculated by further proxy variables. For the assessment of macroeconomic stability of the country's fiscal deficit ratio to GDP, misery index, external debt ratio to GDP, government size and government expenditures have used. Regulations derived from Fraser Institute has used as a proxy for macroeconomic market efficiency, HDI for social development and exports ratio to GDP, export concentration index and exports diversification index has considered for the exports independence. More importantly, the determinants for the good governance that are usually formulated by WGI have been used for the assessment of good governance. Voice and accountability, rule of law, government effectiveness, regulatory, control of corruption and legal system and property rights are the proxy variables of the good

governance. For the index of good governance simple average has been accumulated.

The data of selected determinants have collected from World Bank indicators of year 2017. FM global index and world economic freedom report, which is normally derived from Fraser Institute yearly. Data about the variables of good governance and export independence has been extracted from WGI and UNCTAD databases respectively. The SAARC countries and Iran have been selected for this research. In this research, based on selected determinants the researcher tried to find the economic resilience of these countries. However, Afghanistan has been excluded from this research due to the lack of data availability, while Iran is the observer of SAARC countries and is included in this identification. Twelve determinants have nominated for the economic resilience. AHP-TOPSIS has been used to ovulate the resilience index of SAARC countries. The both techniques are discussed below.

Analytic Hierarchy Approach: (AHP)

Different steps are involved in this process as explained below.

Step 1: *In this first step, the qualitative and quantitative criteria and sub-criteria are defined; developed a hierarchical structure with a goal at the top level, criteria at the second level whereas alternatives at the third.*

Step 2: *Relative importance of different attributes/criteria were assigned by the distinguished economists with respect to the goal through a questionnaire. The Saaty*'s[5] *comparison scale was used, as shown in Table I. Equations from 1 to 9 are derived from Saaty's AHP calculation*[6].

$$C_{ij} = \begin{bmatrix} C_{11} & C_{11} & \dots & \dots & \dots & C_{1n} \\ C_{21} & C_{22} & \dots & \dots & \dots & C_{2n} \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ C_{n1} & C_{n2} & \dots & \dots & \dots & C_{nn} \end{bmatrix}$$

Where *n* is the criteria count, and$C_{ji} = 1/\ C_{ij}$, where *i* and *j* is 1 to n.

Table 1: Comparison, Value Scale

Scale	Degree of Preference
1	Equal Importance
3	Moderate Importance
5	Strong Importance
7	Very, very Strong Importance
9	Extreme Importance
2,4,6,8 1/3,1/7,1/9	Intermediate Importance Values of Inverse Comparison

Step 3: *Third step is to generate the normalized pairwise matrix 'X' by dividing each element in the matrix by its column total:*

$$X_{ij} = \frac{C_{ij}}{\sum_{j=I}^{n} C_{ij}}$$

Where, *i* and *j* is *1* to *n.*

$$X_{ij} = \begin{bmatrix} X_{11} & X_{11} & \cdots & \cdots & \cdots & X_{1n} \\ X_{21} & X_{22} & \cdots & \cdots & \cdots & X_{2n} \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ X_{n1} & X_{n2} & \cdots & \cdots & \cdots & X_{nn} \end{bmatrix}$$

Now, using the above X matrix to get the vector weights matrix W. It can be calculated as:

$$W_i = \frac{\sum_{j=I}^{n} X_{ij}}{n}, \text{ we get vector weight matrix } W = \begin{bmatrix} W_1 \\ W_1 \\ \vdots \\ \vdots \\ W_n \end{bmatrix}$$

Where, *i* and *j* is *1* to *n*.

Step 4: *Multiply each column pairwise comparison matrix by the corresponding weight, will give us another matrix:*

$$D_{ij} = \begin{bmatrix} C_{11} & C_{11} & \cdots & \cdots & \cdots & C_{1n} \\ C_{21} & C_{22} & \cdots & \cdots & \cdots & C_{2n} \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ C_{n1} & C_{n2} & \cdots & \cdots & \cdots & C_{nn} \end{bmatrix} \times \begin{bmatrix} W_1 \\ W_2 \\ \vdots \\ \vdots \\ \vdots \\ W_n \end{bmatrix} = \begin{bmatrix} D_1 \\ D_2 \\ \vdots \\ \vdots \\ \vdots \\ D_n \end{bmatrix}$$

Where, *i* and *j* is 1 to *n*.

Step 5: *Then divide the sum of row entries of the corresponding weight;*

$$E_i = \frac{Di}{w_i}$$

Where, *i* is 1 to *n*. Now, we can get the λ value by

$$\lambda_{max} = \frac{\sum_{j=I}^{n} E_i}{n}$$

Where *i* is 1 to *n*.

Step 6: *The consistency index is calculated by the following formula*

$$\text{Consistency Index} = \frac{\lambda_{max} - n}{\text{n} - 1}$$

Step 7: *The final step in the AHP approach is to calculate a Consistency Ratio (CR). In this stage we find-out how consistent the judgments have been relative to large samples of purely random judgments. If CR is lower than 0.1 or equal to 0.1, the calculations of the criteria are consistent otherwise the judgments are untrustworthy. The consistency ratio calculated as CR= CI/RI, where RI is a random index given in table II.*

Table II: Random Index Value Scale

N	1	2	3	4	5	6	7	8	9	10
RI	0	0	0.58	0.9	1.12	1.24	1.32	1.41	1.46	1.49

In our case, the inconsistency ratio is automatically generated by using the expert choice is 0.06 which is less than 0.1. Thus, the weights given in Table III, can be used for TOPSIS calculations.

Step 8:

$$A_{ij} = \begin{bmatrix} A_{11} & A_{11} & \dots & \dots & \dots & A_{1n} \\ A_{21} & A_{22} & \dots & \dots & \dots & A_{2n} \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ A_{m1} & A_{m2} & \dots & \dots & \dots & A_{mn} \end{bmatrix}$$

Where m represents the number of the selected countries which is 8 in our case, and n is the criteria counts which is 11 in our specified model.

TOPSIS Approach

This technique is one of the useful technique which is very simple and easy to implement, that's why it is familiar as weighting technique. This technique was developed by Hwang and Yoon (Saaty, Varges, 1987). On the basis of this technique the best alternative would be one which is nearest to the positive ideal solution, and far from the negative ideal solution. (Benitez et al, 2007). In this study, Topsis method is used for determining the final ranking of SAARC countries on the basis of selected economic resilience determinants. These following steps are involved in the obtaining of best rank country among the others

Step 9: *To perform TOPSIS calculations, first we normalize the* matrix A_{ij} *To get a new matrix by the formula given as*

$$N_{ij} = \frac{A_{ij}}{\sqrt{\sum_{j=I}^{m} A_{ij}}}$$

Where m represents number of countries. The normalized matrix is shown in appendix table III.

Step 10: *In this step, multiplying each entry with corresponding weight in order to get new matrix which is a weighted normalized matrix*K_{ij}*, as shown in table IV*

$$K_{ij} = \begin{bmatrix} N_{11} & N_{11} & \dots & \dots & \dots & N_{1n} \\ N_{21} & N_{22} & \dots & \dots & \dots & N_{2n} \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots & \vdots \\ N_{m1} & N_{m2} & \dots & \dots & \dots & N_{mn} \end{bmatrix} \times \begin{bmatrix} W_1 \\ W_2 \\ \vdots \\ \vdots \\ \vdots \\ W_n \end{bmatrix}$$

Where m is the number of countries and n is the criteria count. Also, i and j is 1 to n.

Step 11: *here, the positive ideal solution can be found at:*

$$A_j^+ = Max(K_{ij})$$

While, negative ideal solution found at:

$$A_j^+ = Max(K_{ij})$$

Where i 1 to m that is number selected countries and j 1 to n that is criteria count. In this step, we find ideal best and ideal worst solution. It is pertinent to note here, the minimum value of misery index, external debt to GDP and tax burden represents the best ideal solution because, normally, lower value of external debt and misery index favor country's macroeconomic stability. Same is the case in tax burden. The ideal best and worst value is shown in table V.

Step 12: *Calculate the Euclidean distance from the ideal best and the ideal worst value. It can be calculated as:*

$$S_i^+ = \sqrt{\sum_{j=I}^{n}(K_{ij} - A_j^+)^2}$$

$$S_i^- = \sqrt{\sum_{j=I}^{n}(K_{ij} - A_j^-)^2}$$

Where i is 1 to m that is the number of selected countries while j is 1 to n which is criteria count as shown in table VI.

Step 13: *The final step would ultimately give us the performance score. It can be found at:*

$$P_{i\,=} = \frac{S_i^-}{S_i^- + S_i^+}$$

Where i 1 to m which is the number of selected countries. In addition, countries with higher performance score would be ranked

higher. In our model, India ranked first with a higher performance score followed by Iran and Bangladesh as shown in figure 1.

Figure-1

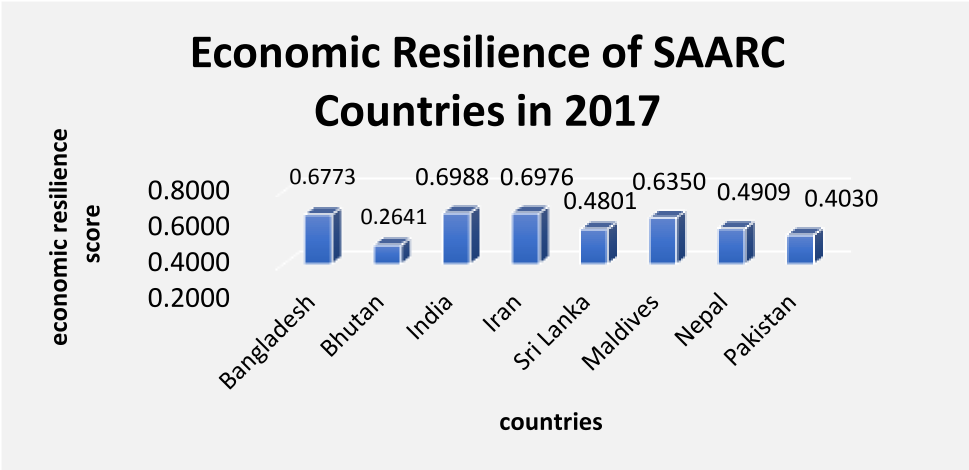

Source: Arthur's Calculations

Concluding Remarks

In this study, India topped with 0.699 score followed by Iran with 0.698 and third by Bangladesh 0.677. However, Bhutan recognized the lowest rank with a score of 0.264 and followed by Pakistan with 0.403. The findings of the study, confirmed the situation of that year. As per our ranking that topped the Indian economy, which performed well in 2017. In terms of trade, the economy made better improvements and contributed 13% to current account and fiscal positions.

A sharp decline in inflation has estimated in inflation and the rupee was in good appreciations. In this study, misery index that has calculated by summing of inflation and unemployment and external debt ratio to GDP got highest weighted due to the heavily importance in context of economic resilience. In the same year, due to low global commodity prices a range of supply side measures and tight stance monetary policy that resulted in a sharp decline in CPI from an average 9% in 2011-13 to around 4% during 2017-18. The current account deficit was narrowed from a high 4.8% of GDP in

2012-13 with an average around 1.3% of GDP during 2013-14 and 2016-17. Iranian economy, although having a severe sanctions imposed by USA showed the good situation in that year upon the considerations of the selected determinants. Mainly fiscal deficit has reduced to around 1.3 percent in that year. The country has in better position among the SAARC countries due to good social development, less poverty indexes, large size of exports and low external debt ratio to GDP comparisons. Whereas the economy of Bangladesh performed well in 2017. His real GDP growth was estimated 7% following an increase in food prices, inflation appears to be stabilized around 6% in line with targets set out by the government. Foreign reserves and public debt rate that, plays an important role for the imports and exports also recorded at stabilizes positioning.

Pakistan got the lowest rank in this study because his economy was facing macroeconomic challenges. The burden of high population, low social development and higher index of poverty are important challenges of the country. External and fiscal vulnerabilities have been increasing. The current account deficit widened rapidly during FY2016/17 to 4 percent of GDP, reflecting strong import growth and flat remittances. Foreign exchange intervention has reduced gross international reserves to below three months of import cover. Despite higher growth and owing to significant overspending by provinces and some revenue underperformance, the overall fiscal deficit (excluding grants) widened to 5.8 percent of GDP in FY2016/17. (IMF, 2018 outlook).

Bhutan is one of the smallest, but fastest-growing economies in the world. Its annual economic growth of 7.5 percent on average between 2006 and 2015, placed the country 13th of 118 countries. This growth has been shared by a majority of Bhutanese, with extreme poverty dropping from 25 percent in 2003 to 2 percent in 2012 , based on the international poverty line of $1.90 a day (at purchasing power parity). This is among the rate in South Asia and compares favorably to the regional poverty rate of 19 percent.

Equally impressive improvements were made in access to basic services such as health, education and asset ownership[7]*. This high growth and improvements unfortunately, stopped and macroeconomic indicators of the economy showed poor performance. CPI was recorded 4.96% in 2017 which was in increase in 1.74% points from 3.225 in 2016. Most important indicator of the economy like GDP indicted lowest performance as compared to the pervious years around 4.63% to 8.02% in 2017 and 2016. In this study, imports concentration index has been considered key determinant for the economic resilience of the country. Hence, in case of Bhutan economy it shows that, imports of goods and services increased in 2017 and this increment is very high digit and observed that 19.38% . (NAS, 2017).*

Conclusion

Economic resilience is new buzz word in the economic literature that is attracting the economists. Because world is objectively being observed to adverse shocks, uncertainties and vulnerabilities. In this line, Briguglio worked about vulnerabilities of the economies who are mainly more vulnerable to adverse shocks. He developed the new framework and suggested that, how could we mitigate to exogenous shocks. That study and his work is broadly appreciated by the world leaders. In this study we have used the key determinants of economic resilience in the context of SAARC countries. For the assessment of the economic resilience and ranking AHP-TOPSIS has been deployed. The results of the study reveals that, India has ranked top, followed by Iran and Bangladesh. These countries performed well in 2017 which was used for the evolution of ranking. Bhutan and Pakistan ranked as lowest due to lowest performance in macroeconomic indicators, more specifically, in external debt and high deficits. This study, would make to divert the attention of policy makers and government authorities to pay more focuses in reduction external debt and imports. Additionally,

they should more invest in social sectors of the countries and specially, diversified their concentrated exports that are always more vulnerable to the adverse shocks.

References

Briguglio.Lino & Cordina,.Gordon(2008) Economic Vulnerability and Resilience concepts and measurements research paper no, 2008/55, United Nations University, UNU-WIDER

Briguglio & Eliawonsay,(2004), Economic Vulnerability and Resilience of Small States Island and Small Institute and Common Wealth Secretariat.

Briguglio.L (2009) Prepared for the Conference "small states and state", Tallin, Estonia.

Bishop. Pauf & Anastasios kitosis, (2018). Economic Resilience in Great Britain; The crises impact and its determining factors for Local Authority Districts, Ann Reg Science ,6;39.

Benite.J.M, Martin.J.C & Riman. C(2007). Using Fuzzy number for measuring quality of the hotel industry, tourism management. 28(2).P-544-555

Caldera.Sanchez, Rohn, Oliver (2015) ,Economic resilience:what role for policies:OECD Economics Depamrtment Working paper no;1251,OECD ,Publishing Paris.

Dorbniak, Adam & Magdalene (, 2012) The Urban Economic Resilience in postindustrial city of Katowice and Bytom". Journal of economics and management, vol, 10.

Economic Freedom of the World, 2018. Annual Report.

Edword,(2008) Exploring Regional, Economic Resilience ", Cleveland State University, University of California, working Paper no, 2008-04.

Feli,Reza.(2018). Resilience to shocks of the Iranian insurance sector. Unpublished Master Thesis, Allama Tabatabi University Tehran, E.C.O College of insurance department of Actuarial Sciences

FM Global,(2018). Resilience Index Methodology.

Jahan, Nusrat 2016,A Case Study Regional Economic Resilience of a Canadian Resource Based-Community (RBC)", Thesis, Department of Earth and Atmospheric Science University of Alberta.

Jalili, Roshank,(2018). The Study of determinants of economic resilience of Iran during years (1384-1394)".Quarterly Journal of Iran's Economic Essays, vol.15, Spring & Summer.

Martin. Ron (2010) Regional economic resilience hysteresis and recessionary shocks, Journal of Economics Geography, Department of Geography, University of Cambridge UK.

National Statistics Bauru f Royal Government of Bhutan 2017

Nik,.Vosough,Afife(2017). Impact of economic vulnerability and resilience on GDP per capita Volatilities. Unpublished Master Thesis, Allama Tabatabi University Tehran, Faculty of Economics

Oxford Metrica,(2016)," The 2016 FM Global Resilience Index", Annual Report.

Samani, Habib,Ansari (2018). The impact of political stability on economic resilience. Unpublished Master Thesis, Yazid University Social Sciences Department

Simmie.James Martin.Ron(2010)."The Economic Resilience of regions: towards an evolutionary approach". Cambridge Journal of Regions, Economic and Society.

Saaty.T.L & Varges.L.G (1987). Uncertainty and Rank order in the analytical hierarchy process. European Journal of operational research. Vol, 32, P-107-117

Dana, Tariq, (2014).A Resistance Economy: What is it and can it provide an alternative?" Palestine. PAL papers.

Vahid Shahgaghi, (2018),The Empirical study of economic resilience of Iran and Selected Countries", (Comparisons of methodologies of Composite Determinants). Journal of Economic Researches, vol.1, page no, 225-252.

Wink. Rudiger (2012), Economic Resilience as the evolutionary concept for postindustrial Regions the case of Leipzig and Halle". Journal of Economics and Management, vol, 10.

Table III: Normalized Matrix

Countries	Fiscal Deficit%GDP	IMsery Index	External Debt&%GDP	Regulation	Govt Size	Govt Expenditure	Good Governance	HDI	Export %GDP	Export Concentration	Export Deversfiction
Bangladesh	0.397361684	1.149693987	1.081662364	0.92791454	1.084191096	0.659347103	0.332446985	0.264641325	1.078175645	0.372508993	0.239137622
Bhutan	0.464740404	0.570576792	6.665378894	1.068003283	0.945972582	1.807532404	0.789160634	0.266495852	2.0860606	0.341822049	0.221065746
India	0.431742108	0.874513894	1.169364718	0.901561213	0.978942136	1.212963041	0.558899323	0.278425725	1.346678225	0.188051265	0.072045852
Iran	0.725616988	2.626988935	0.118632051	0.786438781	0.872425116	1.476794591	0.375825918	0.347277688	1.788497946	0.224747615	0.445932338
Sri Lanka	0.086382975	0.734605923	3.437055248	0.954267868	1.047417363	0.926625909	0.550839724	0.335072888	1.554920633	0.298794805	0.113260487
Maldives	0.518297849	0.966399071	1.537714605	0.72124897	0.95865318	0.524313054	0.450852725	0.311946248	4.848722741	0.366815063	0.393792355
Nepal	3.136220281	0.576867744	1.543561428	0.977847161	1.004303331	1.247787396	0.421966363	0.24979483	0.652295072	0.277090018	0.085918824
Pakistan	0.027815318	0.913027224	1.549934466	0.87243385	0.994158853	1.238236907	0.308668319	0.244383501	0.590528646	0.318921498	0.124081854

The weights of all criteria, defined by the AHP criteria

Table IV: Weighted Matrix

Fiscal Deficit%GDP	Misery Index	External Debt%GDP	Regulation	Govt Size	Govt Expenditure	Good Governance	HDI	Export %GDP	Export Concentration	Export Deversfiction
0.066	0	0	0	0	0	0	0	0	0	0
0	0.14	0	0	0	0	0	0	0	0	0
0	0	0.13	0	0	0	0	0	0	0	0
0	0	0	0.07	0	0	0	0	0	0	0
0	0	0	0	0.08	0	0	0	0	0	0
0	0	0	0	0	0.05	0	0	0	0	0
0	0	0	0	0	0	0.07	0	0	0	0
0	0	0	0	0	0	0	0.12	0	0	0
0	0	0	0	0	0	0	0	0.07	0	0
0	0	0	0	0	0	0	0	0	0.09	0
0	0	0	0	0	0	0	0	0	0	0.11

Table IV: Normalized Weighted Matrix

Countries	Fiscal Deficit%GDP	IMsery Index	External Debt& %GDP	Regulation	Govt Size	Govt Expenditure	Good Governance	HDI	Export %GDP	Export Concentration	Export Deversfiction
Bangladesh	0.026	0.161	0.141	0.065	0.087	0.033	0.023	0.032	0.075	0.034	0.026
Bhutan	0.031	0.080	0.866	0.075	0.076	0.090	0.055	0.032	0.146	0.031	0.024
India	0.028	0.122	0.152	0.063	0.078	0.061	0.039	0.033	0.094	0.017	0.008
Iran	0.048	0.368	0.015	0.055	0.070	0.074	0.026	0.042	0.125	0.020	0.049
Sri Lanka	0.006	0.103	0.447	0.067	0.084	0.046	0.039	0.040	0.109	0.027	0.012
Maldives	0.034	0.135	0.200	0.050	0.077	0.026	0.032	0.037	0.339	0.033	0.043

Pakistan	Nepal
0.002	0.207
0.128	0.081
0.201	0.201
0.061	0.068
0.080	0.080
0.062	0.062
0.022	0.030
0.029	0.030
0.041	0.046
0.029	0.025
0.014	0.009

V-	V+
0.002	0.207
0.368	0.080
0.866	0.015
0.050	0.075
0.070	0.087
0.026	0.090
0.022	0.055
0.029	0.042
0.041	0.339
0.034	0.017
0.008	0.049

Table VI: Euclidean Distance, Performance Score

Countries	Si+	Si-	Pi	Ranking
Bangladesh	**0.360**	**0.757**	**0.677**	**3**
Bhutan	**0.885**	**0.318**	**0.264**	**8**
India	**0.327**	**0.759**	**0.699**	**1**
Iran	**0.372**	**0.859**	**0.698**	**2**
Sri Lanka	**0.530**	**0.490**	**0.480**	**6**
Maldives	**0.250**	**0.435**	**0.635**	**4**
Nepal	**0.343**	**0.331**	**0.491**	**5**
Pakistan	**0.405**	**0.274**	**0.403**	**7**

References

1. *FM Global Resilience Index Annual Report 2016*
2. *WEF-Global Risks 2013, Eighth Edtion.*
3. *Statement during the meeting with the President and members of the Government, 1391.06.02.*
4. *The Supreme Leader of the Islamic Revolution, in a meeting with the members of the Coordination Council of Islamic Propagation.27-12-2017*

5.T*. L. Saaty, "How to make a decision: the analytic hierarchy process," Eur J Oper Res, vol. 48, no. 1, pp. 9-26, September 1990.*

6.*T. L. Saaty, The Analytic Hierarchy Process: Planning, Prioritytting, Resources Allocation, New York: McGraw, 1980*

7.*https://blogs.worldbank.org/endpovertyinsouthasia/how-does-bhutan-s-economy-look.*

ISSN 2221-1659 Declaration No: 7334

Quarterly social & religious research journal

NOOR-E-MARFAT

Vol. 10 Issue: 2 Continues Issue: 44

April to June 2019

Accordingly

Shaban to Shawal 1440Hijri

Editor

Dr Sh. Muhammad Hasnain

Noor-ul-Huda Markaz-e-Tehqeeqat (Islamabad)

E-mail: noor.marfat@gmail.com

QUARTERLY SOCIAL & RELIGIOUS RESEARCH JOURNAL

NOOR-E-MARFAT

Vol. 10 Issue:2 Continues Issue: 44 April to June 2019

Islam, a Universal Religion
The Islamic Concept of GOD's Mercy
The Causes of the Downfall of the Nations
Qaseeda Meemia of Farzudaq Tameemi - A Study
Syed Jafar Murtadha Amoli: A Distinguished Biographer
The Quran and its call for Contemplation and Observation
The Basic Difference between Islamic & Western Civilizations
First Latin, French and English Translations of the Holy Qur'ân
Evaluating the Economic Resilience of SAARC Countries by using AHP-TOPSIS Approach

www.nmt.org.pk
Noor ul Huda Markaz-e-Tehqeeqat (Islamabad)